محکمہ اوقاف کی مساجد کا اصلاح معاشرہ میں کردار

(اسلام آباد کے تناظر میں)

مقالہ برائے ایم۔فل علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

انوار اللہ

ایم فل سکالر علومِ اسلامیہ

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی

شعبہ علوم اسلامیہ نمل،

اسلام آباد

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن 2017-2020

محکمہ اوقاف کی مساجد کا اصلاح معاشرہ میں کردار

(اسلام آباد کے تناظر میں)

مقالہ برائے ایم۔ فل علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

انوار اللہ

ایم فل سکالر علومِ اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر:1352_M phil /IS/S17

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی

شعبہ علوم اسلامیہ نمل،

اسلام آباد

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن 2017-2020

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے ،وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **محکمہ اوقاف کی مساجد کا اصلاح معاشرہ میں کردار (اسلام آباد کے تناظر میں)**

Topic in English: **The Role of Auqaaf's Masajid in Social Reforms :A study in the context of Islamabad**

Topic in Roman: **Mehakma e Auqaaf ki Masajid ka Islah e Ma'shrah main kirdar (Islamabad ky tanazur main)**

نام ڈگری: **ایم فل علوم اسلامیہ**

نام مقالہ نگار: **انوار اللہ**

رجسٹریشن نمبر: **1352_M phil /IS/S17**

ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی
(نگران مقالہ)
نگران مقالہ کے دستخط ____________________

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)
ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے دستخط ____________________

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان
(پرو-ریکٹر اکیڈمکس، نمل)
پرو-ریکٹر اکیڈمکس کے دستخط ____________________

تاریخ: ____________________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں انوار اللہ ولد مناسب جان

رول نمبر: 282 رجسٹریشن نمبر: 1352_M phil /IS/S17

طالب علم، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **محکمہ اوقاف کی مساجد کا اصلاح معاشرہ میں کردار (اسلام آباد کے تناظر میں)**

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، جو راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: انوار اللہ

دستخط مقالہ نگار: ____________

انتساب

میری یہ تحقیقی کاوش والد محترم کے نا م جنہوں نے ہر لمحے میں میری مدد کی اور والدہ کے نام جن کی دعاؤں کی بدولت میں آج اس مقام پر پہنچااور جن کے تعاون سے یہ مقالہ مکمل ہوا۔

اظہار تشکر

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین

امابعد!

بے پناہ حمد و ثنا اس بابرکت ذات اقدس کے لیے جو تمام جہانوں کا رب ہے، جو مالک کل کائنات ہے، جس کی رحمت وبرکت مجھے گھیرے ہوئے ہے۔ اللہ تعالی کا مجھ حقیر پر احسان عظیم ہے کہ اس نے مجھے اپنے دین کے علم کو سمجھنے کے لیے منتخب فرمایا اور پھر مجھے یہ توفیق بخشی کہ میں اس تحقیقی مقالہ کو تحریر کرنے کے قابل ہوا۔

میں اپنے والدین کا شکر گزار ہوں جن کی دعائیں، مدد اور تعاون ہر لمحہ میرے ساتھ رہا۔ میرے والد محترم جنہوں نے ہر کٹھن لمحے میں میرا ساتھ دیا اور میری راہ کی مشکلات کو اپنے دستِ شفقت کے ذریعے سہل بنایا۔ میری والدہ جنہوں نے اس تمام دورانیے میں خصوصی تعاون کیا کہ میں وقت کا درست استعمال کر سکوں اور ان کی حوصلہ افزائی ہی کی بدولت میں آج اس مقام پر ہوں۔

اس کے بعد صدر شعبہ ڈاکٹر نور حیات خان صاحب کا شکر گزار ہوں جن کے توسط سے اس یونیورسٹی میں شعبہ علوم اسلامیہ روز افزوں ترقی کی منازل طے کر رہا ہے اور جن کی شفقت اس تحقیقی مقالہ میں میرے شامل حال رہی اور اسکے بعد میں اپنے نگران مقالہ محترم جناب ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی صاحب کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے اس مقالہ کی ترتیب و تدوین میں میری مدد کی اور ہر لمحہ میری رہنمائی کی۔ ساتھ ہی ساتھ میں ان تمام افراد کا شکر گزار ہوں جنہوں نے تحقیق کے سلسلے میں میرے ساتھ تعاون کیا اور مطلوبہ مواد کی فراہمی کو ممکن بنایا اور میری رہنمائی کرتے رہے۔

آخر میں اپنے بھائیوں اور دوستوں کا بالعموم اور محترم عبد الرحیم اسد کا بالخصوص مشکور ہوں جنہوں نے میرے ساتھ ہر موڑ پر تعاون کیا اور تمام تحقیقی دورانیے میں ساتھ رہے اور میری مدد کرتے رہے۔

ایم فل، سکالر شعبہ علوم اسلامیہ

تاریخ 16-10-2020

`ABSTRACT

My Topic is as under**:**

The Role of Auqaaf's Masajid in Social Reforms :A study in the context of islamabad

Masjid has an important role in Muslim society. It had been a community center in the reign of the Holy Prophet (saw), where He (saw) met with delegations, set Muslim affairs and family matters, seeking and delivering knowledge, discussion about Islamic laws and war plans were made in the mosque. The masjid had been basic role in religious character building. The Prophet (saw) was glad to know children in the masjid. Masjid has an active role in making a man punctual. The Muslim community is ordered to be hurry when they hear the first Azaan For Jumatul Mubarak, and leave all their works where those are. The masjid had been a center where all Sahaba E Kiraam (the prophet (saw)'s companions) were made aware of their religious affairs and Islamic laws, they were taught how to build their character. Women were allowed to go to the mosques to pray five times a day. They asked a lot of questions about their affairs. War plans were made in the mosque. The prophet (saw)'s companions were called to gather in the mosque when a problem or an important task was needed. The prophet (saw) asked his companions to give suggestions about the matter. When he (saw) went to a war, after returning from it, he went to the masjid first. Later on He entered the home. There are a lot of examples we can talk about.

Auqaaf masajid have not a specific syllabus but Khutbaa and Ulama (religious scholars) of these masajid have started an active role in character building of the society, it has a positive impact on the society. Auqaaf Aemma and religious personalities are working for religious awareness of the society.

فہرست موضوعات

باب اول: عہدِ رسالت میں مسجد کا کردار

فصل اول: مسجد کی اہمیت و فضیلت قرآن و حدیث کی روشنی میں 16

فصل ثانی: مسجد کا تعلیمی و سیاسی کردار 29

فصل ثالث: مسجد کا تربیتی و عدالتی کردار 44

باب دوم: اصلاح معاشرہ میں محکمہ اوقاف کی مساجد کا کردار

فصل اول: محکمہ اوقاف کے زیر انتظام مساجد کیلئے قانون سازی 63

فصل دوم: اسلام آباد میں اوقاف کی مساجد کا جائزہ 72

فصل سوم: اوقاف کی مساجد کا تعلیمی کردار 88

باب سوم: مسجد کے دعوتی و تربیتی کردار میں حائل رکاوٹیں

فصل اول: دعوتی کردار میں حائل رکاوٹیں 97

فصل دوم: تربیتی کردار میں حائل رکاوٹیں 105

فصل سوم: عوام اور مسجد کے تعلق میں حائل رکاوٹیں 114

باب چہارم: اصلاح مساجد کے لئے مجوزہ طریقہ کار

فصل اول: منصب امامت کیلئے معیار کی اہلیت 121

فصل دوم: ائمہ مساجد کے تقدس کی بحالی 144

فصل سوم: مسجد اجتماعی فلاح وبہبود کا مرکز	....	155
فصل چہارم: اشاعت دین کی نئی جہتیں	....	165
خاتمہ	....	178
نتائج	....	183
سفارشات	....	184
فہارس	....	185
مصادر و مراجع	....	194

مقدمہ

موضوع کا تعارف

مسلم معاشرے کو رواں رکھنے کیلئے مساجد ایک انجن کی حیثیت رکھتی ہیں۔اس مقصد کے حصول کے لئے لازم ہے کہ مسجد کا اصل کردار بحال ہو جو عہد نبوی ﷺ میں تھا۔عہد نبوی ﷺ میں مسجد ایک مضبوط سماجی مرکز تھی۔جہاں تعلیمی مجالس، باہمی تنازعات کا حل، وفود سے ملاقاتیں، اسلامی قوانین کی تعلیم اور جنگوں کی منصوبہ بندی کی جاتی تھی۔اسلامی تاریخ کے بڑے بڑے مفسرین، محدثین، فقہاء اور قاضی القضاء انہی مسجدوں میں اپنی علمی مجالس منعقد کیا کرتے تھے۔آج مسلمانوں کا مجموعی رویہ صرف پانچ وقت نماز کی ادائیگی کے لیے ہے۔اس بات کی ضرورت ہے کہ مساجد کا معاشرے میں کھویا ہوا مقام بحال کرنے کے لئے کوشش کی جائے۔مساجد مسلم معاشرے کی بقاء کے ضامن ہیں ۔ان کا بھرپور کردار اصلاح معاشرہ اور اسلام کی سربلندی میں بہترین کردار ادا کر سکتا ہے۔

موضوع کی ضرورت واہمیت

مسجد معاشرے اور فرد کی تعلیم و تربیت، اجتماعیت اور آپس کے روابط کو قائم و مستحکم کرنے کا بنیادی ادارہ ہے۔مسجد ایک طرف اللہ کی عبادت اور حصول تقرب کی جگہ ہے تو دوسری طرف معاشرے کی دینی، اخلاقی اور روحانی اصلاح کرنے اور اس کو اسلامی اقدار پر قائم کرنے کا ذریعہ ہے عہد نبوی ﷺ میں تمام شعبہ جات کی رہنمائی مسجد ہی سے ہوتی تھی۔آپ ﷺ مسجد میں بیٹھ کر معاشرے کے تمام مسائل کا حل فرماتے تھے۔آپ ﷺ کی تمام اصلاحی و تعمیراتی سرگرمیاں مسجد میں انجام پاتی تھیں، نئی مملکت کے تمام سیاسی مسائل کے حل اور قانون سازی کے لئے مسجد پارلیمنٹ تھی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ادارے کو وہی اہمیت، درجہ اور مقام دیا جائے جو نبی ﷺ نے دیا تھا اور صحابہ کرام نے اسے مزید بڑھایا تا کہ معاشرے کی اصلاح کی جا سکے۔

بیان مسئلہ

اصلاح معاشرہ میں محکمہ او قاف اسلام آباد کی مساجد کے کردار کا جائزہ لیکر مجوزہ طریقہ کار فراہم کرنا اور مساجد کی اسی اہمیت، درجے اور مقام کو بحال کی کوشش کرنا جو عہد نبوی ﷺ میں تھا۔

موضوع پر سابقہ کام کا جائزہ

حتی الامکان کوشش کے باوجود ہمارے مطالعے میں اس موضوع (محکمہ او قاف کی مساجد کا اصلاح معاشرہ میں کردار جائزہ اسلام آباد کے تناظر میں) پر اسطرح کام سامنے نہیں آیا البتہ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں پی ایچ ڈی لیول پر (مساجد کے ائمہ اور مدارس کے اساتذہ کے معاشی مسائل) پر کام ہو رہا ہے اور پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے لیول پر (عہد نبوی ﷺ کی مساجد کا جائزہ) پر کام ہو رہا ہے اس کے علاوہ مساجد کے حوالے سے عمومی نوعیت کی کتب لکھی گئی ہیں جن کی تفصیل درجہ ذیل ہے۔

عہد نبوی ﷺ کی مساجد کا جائزہ، مقالہ نگار، روبینہ شاہین، نگران مقالہ، ڈاکٹر آمان اللہ (پنجاب یونیورسٹی 2001)

مساجد کے ائمہ اور مدارس کے اساتذہ کے معاشی مسائل، مقالہ نگار، عبدالرحمان، نگران مقالہ، ڈاکٹر عبدالقدوس (بہاؤالدین زکریایونیورسٹی)

المساجد فی ضوء الکتاب والسنہ (سعید بن علی بن وہب القحطانی، مکتبہ اسلامی، 2008)

آداب المساد (مولانا مفتی شفیع، ادارہ معارف کراچی 2005)

مسجد کے فضائل واحکام (مفتی محمد ارشاد، زمزم پبلیشر کراچی، 2009)

احکام المساجد (مولانا مفتی مطیع الرحمان، ادارہ النصیحہ کراچی، 2009)

تاریخ مساجد (مولانا صدر الحسن، منوہر پبلیکیشنز دہلی، 2005)

اصلاح المساجد من البدع والعوائد (محمد جمال الدین قاسمی، مکتبہ اسلامی، 2007)

اسلام کا نظام مساجد (مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی ندوی)

ان تمام تر تحقیقی کام میں مساجد کے فضائل احکام وآداب کو بیان کیا گیا ہے، اصلاحی معاشرہ میں مسجد کے کردار پر بہت کم بات کی گئی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ مسجد کا اصلاح معاشرہ میں کردار پر بات کی جائے اور اس مقالے میں مسجد کے کردار کو واضح کیا گیا ہے۔

مقاصد تحقیق

1. اوقاف کی مسجد کا مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کردار کو واضح کرنا۔
2. محکمہ اوقاف کی مساجد کے کردار کو مؤثر بنانا۔
3. ائمہ مساجد کے تقدس کو عوامی سطح پر اجاگر کرنا۔
4. حکومتی سطح سے اوقاف کی مساجد کے کردار کو فعال کرنا۔

بنیادی تحقیقی سوالات

1. محکمہ اوقاف کی مساجد کے انتخاب ائمہ وخطباء کو کن بنیادوں پر بہتر کیا جاسکتا ہے؟
2. محکمہ اوقاف کے ائمہ مساجد کے کردار کو معاشرے میں کس طرح مؤثر بنایا جاسکتا ہے؟
3. محکمہ اوقاف کی مساجد کا تعلیمی وتربیتی کردار اصلاح معاشرے میں کیسے فعال کیا جاسکتا ہے؟

تحدید کار

موجودہ مقالہ میں محکمہ اوقاف اسلام آباد کی مساجد کا اصلاح معاشرہ میں کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اسلوب تحقیق

1. اس تحقیق کا بنیادی اسلوب بیانیہ اور تجزیاتی ہے۔
2. دور جدید کے ذرائع بھی استعمال میں لائے گئے ہیں۔
3. تحقیقی موضوع پر مکمل سعی کے ساتھ اصل مصادر و مراجع تک رسائی حاصل کی گی ہے اور ان ہی سے حوالہ جات پیش کیے گئے ہیں۔
4. ضرورت کے پیش نظر توضیح اور تشریح کے لیے ثانوی مصادر و مراجع سے استفادہ کیا گیا ہے۔
5. سوالنامے کے ذریعے مسجد کے کردار کے حوالے سے ائمہ مساجد اور عوام کی رائے معلوم کی گی ہے۔

ابواب بندی

باب اول: عہد رسالت میں مسجد کا کردار

فصل اول: مسجد کی اہمیت و فضیلت قرآن و حدیث کی روشنی میں

فصل دوم: مسجد کا تعلیمی و سیاسی کردار

فصل سوم: مسجد کا تربیتی و عدالتی کردار

باب دوم: اصلاح معاشرہ میں محکمہ اوقاف کی مساجد کا کردار

فصل اول: محکمہ اوقاف کے زیر انتظام مساجد کیلئے قانون سازی

فصل دوم: اسلام آباد میں اوقاف کی مساجد کا جائزہ

فصل سوم: اوقاف کی مساجد کا تعلیمی کردار

باب سوم: مسجد کے دعوتی وتربیتی کردار میں حائل رکاوٹیں

فصل اول: دعوتی کردار میں حائل رکاوٹیں

فصل دوم: تربیتی کردار میں حائل رکاوٹیں

فصل سوم: عوام اور مسجد کے تعلق میں حائل رکاوٹیں

باب چہارم: اصلاح مساجد کے لئے مجوزہ طریقہ کار

فصل اول: منصب امامت کیلئے معیار کی اہلیت

فصل دوم: ائمہ مساجد کے تقدس کی بحالی

فصل سوم: مسجد اجتماعی فلاح وبہبود کا مرکز

فصل چہارم: اشاعت دین کی نئی جہتیں

خاتمہ

نتائج

سفارشات

فہارس

باب اول: عہدِ رسالت میں مسجد کا کردار

فصل اول: مسجد کی اہمیت و فضیلت قرآن و حدیث کی روشنی میں

فصل دوم: مسجد کا تعلیمی و سیاسی کردار

فصل سوم: مسجد کا تربیتی و عدالتی کردار

فصل اول: مسجد کی اہمیت وفضیلت قرآن وحدیث کی روشنی میں

مسجد کا لغوی معنیٰ ومفہوم:

مسجد وہ جگہ ہے جو مسلمانوں کی باجماعت نماز کی ادئیگی کیلئے بنائی گئی ہو۔

"لفظ مسجد عربی الاصل ہے اور اس کا مادہ "سجد" (فروتنی سے جھکنا، عبادت کے لیے زمین پر پیشانی کو رکھنا) ہے۔
المسجد کے معانی سجدہ گاہ، عبادت گاہ اور اس کی جمع مساجد ہے۔"[1]

لسان العرب کے مطابق مسجد کا مفہوم یہ ہے کہ:

"الذی یسجد فیه کل موضع یتعبد فیه فھو مسجد۔۔بفتح المیم، محراب البیوت ومصلی الجماعات مسجد بکسر الجیم"[2]

ترجمہ: جس جگہ سجدہ کیا جائے۔۔۔ ہر وہ جگہ جس کو عبادت کے لیے مخصوص کیا جائے۔۔۔ میم پر فتح کے ساتھ اس کا مفہوم وہ گھر ہیں جنہیں باجماعت نمازوں کے لیے بنایا جائے اور اس کی جیم کے نیچے کسرہ ہے۔

مقتدرہ قومی زبان کی شائع شدہ "قرآن مجید کی عربی اردو لغت" کے مطابق مسجد کے معانی "سجدہ کرنے کی جگہ، سجود سے اسم ظرف مکاں" ہیں[3]"

اردو لغت بورڈ سے شائع کردہ "اردو لغت، تاریخی اصول پر" کے مطابق مسجد کے معانی "سجدہ کرنے کی جگہ، نماز پڑھنے کی جگہ، مسلمانوں کا عبادت خانہ "ہیں[4]۔

اظہر اللغات کے مطابق مسجد کے معانی "سر جھکانے کی جگہ، سجدہ کرنے کی جگہ، نماز پڑھنے کی جگہ، عبادت خانہ، مسلمانوں کی عبادت گاہ، خدا کا گھر" ہے[5]۔

1۔ ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، طبع199ء، ص: 347

2۔ ابن منظور، لسان العرب، دار المعارف، قاہرہ، (س۔ن) ص: 1940

3۔ ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، قرآن مجید کا عربی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد طبع 2001، ص: 482

4۔ اردو لغت تاریخی اصول پر، اردو لغت بورڈ، کراچی، طبع 2002ء، جلد ص: 9/32

[5] الحاج محمد امین بھٹی، الحاج محمد ثقلین بھٹی۔ اظہر اللغات، اظہر پبلشرز، لاہور (س۔ن) ص: 1025

مصباح اللغات کے مطابق مسجد کے معانی "سجدہ گاہ، عبادت گاہ" ہیں[1]

فیروز اللغات کے مطابق مسجد "سجدہ کرنے کی جگہ، نماز پڑھنے کی جگہ، مسلمانوں کا عبادت خانہ" ہے[2]۔

لغت میں مسجد سے مراد ایسی جگہ ہے جس میں سجدہ کیا جائے، ایسی جگہ جہاں مسلمان نماز کے لیے جمع ہوں۔ ملا علی قاری نے امام زرکشی کا قول لکھا ہے کہ:

"سجدہ رب کے لیے بندے کا بہترین عمل ہے کیونکہ اس کے ذریعے اس کو رب کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس سے اسم مکان مشتق ہوا تو وہ مسجد بنا۔ لوگ مسجد کے بجائے کلمہ "مرکع (رکوع کی جگہ)" استعمال نہیں کرتے ہیں بلکہ نماز کے لیے مخصوص جگہ کے لیے مسجد کا لفظ ہی استعمال کرتے ہیں۔"[3]

معجم مصطلحات العلوم الشرعیۃ کے مطابق مسجد کا مفہوم یہ ہے:

"البيت المتخذ لاجتماع المسلمين لاداء الصلاة فيه على الدوام"[4]

ترجمہ: مسجد وہ جگہ ہے جو مسلمانوں کی باجماعت نماز کی ادائیگی کے لیے بنائی گئی ہو۔

مسجد کا اصطلاحی معنی و مفہوم :

شرعی اصطلاح میں مسجد کا مفہوم یہ ہے کہ:

"المكان الذى اعد للصلاة فيه على الدوام"[5]

ترجمہ: ایسی جگہ جو ہمیشہ کے لیے نماز پڑھنے کے لیے تیار کی گئی ہو۔

امام زرکشی کے نزدیک مسجد مخصوص جگہ کا نام نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک ساری زمین ہی مسجد ہے۔ امام موصوف لکھتے ہیں:

---

[1] ابو الفضل مولانا عبد الحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، جولائی 1999ء، ص: 347

[2] الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات، فیروز سنز لاہور، (س۔ن) ص: 1345

[3] ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ص: 10/ 12

4۔ مجموعۃ من المؤلفین، معجم مصطلحات العلوم الشرعیۃ، مکتبۃ الملک فہد، الریاض، طبع 2017ء۔ 3/ 1599

[5] دکتور محمد رواس، معجم لغۃ الفقہاء، دار النفائس للطباعۃ والنشر والتوزیع، طبع 1988ء، ص: 39

"کل موضع من الارض یسجد للہ فیہ"[1]

ترجمہ: زمین کے وہ تمام مقامات جن پر اللہ کو سجدہ کیا جاتا ہے، وہ مسجد کے ضمن میں ہیں۔

اس موقف کی تائید میں امام زرکشی نے مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

((جعلت لی الارض مسجدا وطهورا، فایما رجل من امتی ادرکته الصلاة فلیصل))[2]

ترجمہ: میرے لیے زمین کو سجدے اور طہارت والی جگہ بنادیا گیا ہے پس میری امت کے کسی بھی شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت آئے، وہ نماز ادا کرلے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ:

"یہ ہمارے نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے اور آپ ﷺ کی امت کے لیے اس کی رعایت ہے۔ اس سے قبل انبیا علیہم السلام کے لیے عبادت کے مقامات مخصوص تھے اور وہ ان میں ہی عبادات بجالاتے تھے۔ ان میں کنیسے اور دیگر اقسام کے معبد معروف ہیں"۔[3]

یہی رعایت حضرت ابوزر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی موجود ہے جس کے مطابق آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ

((واینما ادرکتك الصلاة فصل، فهو مسجد))[4]

ترجمہ: تمہیں جہاں بھی نماز آلے، تم نماز پڑھ لو، وہی جگہ مسجد ہے۔

امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

"اس حدیث میں ہر جگہ نماز ادا کرنے کا جواز ہے۔ ہاں البتہ زمین کے وہ حصے جن کو شریعت نے خود مستثنیٰ قرار دیا ہے وہاں نماز ادا نہیں کی جائے گی۔ ان میں مقبرے، نجاست کے مقامات، اونٹوں کا باڑہ اور حمام وغیرہ قابلِ ذکر ہیں"۔[5]

ابن منظور لکھتے ہیں:

---

[1] محمد بن عبد اللہ بن بہادر زرکشی، اعلام الساجد باحکام المساجد، المجلس الأعلی للشؤون الإسلامیة، طبع 1996ء، ص: 27

[2] ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری الجامع الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب قول النبي صلی اللہ علیه وسلم: "جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا"، دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الأولی، 1422ھ حدیث نمبر (438) ص: 1/95

[3] احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی، المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب المسلم، دار ابن کثیر، بیروت (س۔ن)، ص: 2/117

[4] ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری الجامع الصحیح، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب، حدیث نمبر: 3366 ص: 4/145

[5] یحیٰ بن شرف النووی، شرح علی صحیح مسلم، المطبعۃ المصریہ بالأزہر، 1929، ص: 5/5

"جس مسجد میں لوگ جمع ہو کر جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں اس کو جامع مسجد کہا جاتا ہے۔ایسی مسجد مسلمانوں کے اجتماعات اتحاد و اتفاق کی علامت سمجھی جاتی ہے۔"[1]

مسجد کی اہمیت و فضیلت قرآن و حدیث کی روشنی میں

مساجد آباد کرنے والوں کی فضیلت

مساجد کی اہمیت، مقام، فضیلت کا ذکر قرآن مجید میں اٹھارہ مقامات پر بیان کیا گیا ہے[2]۔ مسجد کی مرتبت اور منقبت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت خود اپنی طرف فرمائی ہے اور اس کو عزت و شرف سے نوازا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ﴾[3]

ترجمہ: اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے امید ہے یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔

مساجد کی آبادکاری میں رکاوٹ ڈالنے کا انجام

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے کے لیے سخت وعید سنائی ہے جو مساجد میں آنے والوں کے لیے مسائل کا سبب بنتے ہیں اور ان کے لیے رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے کہ:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ﴾[4]

---

[1] لسان العرب، ص:8/55

[2] محمد فواد عبد الباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، دار الکتب المصریۃ، طبع 1364ھ، ص: 345

[3] سورۃ التوبۃ:18

[4] سورۃ التوبۃ:17

ترجمہ: مشرک اس امر کے اہل نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں جبکہ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ خود اپنے اعمال سے اپنے اوپر کفر کی شہادت دے رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال برباد ہو گئے اور وہ لوگ ہمیشہ آگ میں رہنے والے ہیں

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا ہے کہ:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[1]

ترجمہ: اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں پر اس بات کی بندش لگادے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے، اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔ ایسے لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان (مسجدوں) میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے، اور انہی کو آخرت میں زبردست عذاب ہوگا۔

چنانچہ وہ تمام افراد اور امور جن کی بنا پر مساجد کی آبادکاری میں مسائل درپیش ہوں، اللہ تعالیٰ کو نزدیک سخت ناپسند ہیں۔

مساجد کی حفاظت

اللہ تعالیٰ نے عبادت گاہوں کی حفاظت کا ایک ایسا آفاقی انتظام کر رکھا ہے جس کا تعلق صرف مسلمانوں کے ساتھ ہی نہیں ہے بلکہ ہر مذہب کے پیروکاروں کے ساتھ ہے۔ اس انتظام میں مساجد کے ساتھ ساتھ گرجے اور ہیکل بھی شامل ہیں۔ البتہ یہ ملحوظ رہے کہ اسلام کے مطابق صرف مساجد ہی عبادت خانے کے طور پر اعلیٰ وارفع جگہ ہے، دیگر مذاہب کے عبادت خانوں کو یہ مقام حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا﴾[2]

ترجمہ: اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے زریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جاتیں۔

---

[1] سورۃ البقرہ:114

[2] سورۃ الحج:40

امام طبری لکھتے ہیں:

"جس طرح ایک بادشاہ اپنی رعایا کے لوگوں کو ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے روک کر رکھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں مشرکین اور کفار کو مساجد کے انہدام سے روکنے کے لیے مسلمانوں کو ڈھال بنایا ہے"[1]۔

امام بغوی لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جہاد اور حدود کے قیام کے ذریعے لوگوں کو جرائم سے باز نہ رکھتا تو ہر نبی کی شریعت کا مقام منہدم ہو جاتا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کنیسے منہدم ہو جاتے، عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں گرجے منہدم ہو جاتے اور محمد ﷺ کے عہد میں مساجد منہدم ہو جاتیں"[2]

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ "فیھا" میں ضمیر "ھا" کا مرجع "المساجد" ہے کیونکہ یہ مذکورات میں سب سے قریب ہے۔ جیسا کہ امام طبری لکھتے ہیں:

"اس کے مفہوم کے ضمن میں موجود اقوال میں سب سے زیادہ راجح یہی قول ہے کہ راہبوں کے صوامع، مسیحیوں کے گرجے، یہودیوں کے کنیسے اور مسلمانوں کی مساجد ایسی جگہیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے زیادہ ہوتا ہے"[3]

اللہ تعالیٰ نے مساجد کی حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے اس کو غلبہ دین کے ساتھ مربوط کر دیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ۔ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾[4]

ترجمہ: اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور

---

[1] محمد بن جریر طبری، جامع البیان عن تاویل ای القرآن، دار ھجر للطباعۃ والنشر، (س ن) ص: 18/648

[2] حسین بن مسعود بغوی، معالم التنزیل، دار طیبۃ، بیروت، طبع 1989ء، ص: 3/290

[3] جامع البیان عن تاویل ای القرآن، ص: 18/650

[4] سورۃ الحج: 40، 41

زکوۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں۔ اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔

مساجد کی حفاظت اور ان کی آبادکاری کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایسے اسالیبِ بیان اختیار فرمائے ہیں جن میں واضح طور پر یہ پیغام ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانی اعمال میں سے اہم ترین عمل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں رونق قائم رکھی جائے۔ جو لوگ اس سے احتراز کرتے ہیں یا ان کی بے رونقی کا سبب بنتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت ترین ناپسندیدگی کا سامنا ہو گا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس لیے ان کنیسوں، صوامع اور دیگر ادیان کے معابد کی تعمیر اور ان کی رونق آفرینی بھی منسوخ ہو چکی ہے۔ اب صرف مساجد کی تعمیر اور ان کی آبادکاری ضروری ہے۔ اب مساجد کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ کی عنایات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اس حوالے سے فرمان ہے:

﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾[1]

ترجمہ: جن گھروں کے بارے میں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کو بلند مقام دیا جائے، اور ان میں اس کا نام لے کر ذکر کیا جائے، ان میں صبح و شام وہ لوگ تسبیح کرتے ہیں۔

مساجد کی اہمیت و فضیلت کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مندرجہ ذیل حدیث بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((احب البلاد الی اللہ مساجدھا، وابغض البلاد الی اللہ اسواقھا))[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک آبادی کا پسندیدہ ترین حصہ اس کی مساجد ہیں اور آبادی کا بدترین حصہ اس کے بازار ہیں۔

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام نووی لکھتے ہیں:

---

[1] سورۃ النور:36

[2] مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، دار إحياء التراث العربي–بيروت، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب أحب البلاد إلى الله مساجدها، ص:4/164، حدیث نمبر:288

"مساجد اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ترین جگہوں میں ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے اور اطاعت کا پیغام دیا جاتا ہے۔ان کی بنیاد تقویٰ پر رکھی جاتی ہے۔بازار اللہ تعالیٰ کو اس لیے ناپسند ہیں کہ ان میں ملاوٹ، دھوکہ، سود، جھوٹی قسم، وعدہ خلافی اور اللہ کے ذکر سے اعراض کا ماحول ہوتا ہے "[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام آبادیوں میں سے اللہ تعالیٰ کو وہ گھر سب سے زیادہ محبوب ہیں جو اس کی عبادت، ذکر، مومنوں کے اجتماع، شعائر دین کے ظہور اور فرشتوں کے نزول کے لیے مخصوص ہیں۔بازار اللہ تعالیٰ کو اس لیے ناپسند ہیں کیونکہ وہ طلب دنیا، مطلب پرستی، اللہ کے ذکر سے اعراض کے لیے مشہور ہیں نیز یہ جھوٹی قسموں، شیطانی معرکوں اور نظر کے گناہوں کے مقامات ہیں۔زمین بحیثیت مخلوق اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لیے خاص عطیہ ہے۔اس کے وہ مقامات جو اسلام سے قبل خالصتا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مخصوص رہے ہیں وہ اپنے اپنے عہد میں زمین کے دیگر خطوں سے زیادہ اہم تھے۔اب مساجد زمین کے افضل ترین مقامات ہیں کیونکہ ان میں کوئی دنیوی امر انجام نہیں دیا جاتا ہے بلکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے۔

مساجد کی تعمیر اور آبادکاری کا مفہوم

مسجد کی آباکاری اور تعمیر مستقل طور پر عبادت ہے۔اس ضمن میں کثیر تعداد میں نصوص موجود ہیں جن کے ذریعے مساجد کی تعمیر کی اہمیت اور اس عمل کی فضیلت سے متعلق علم حاصل ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ﴾[2]

ترجمہ: اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ دیتا رہا اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا، سو لوگ امیدوار ہیں کہ ہدایت والوں میں سے ہو۔

مسجدیں آباد کرنے کا مفہوم بیان کرتے ہوئے امام طبری لکھتے ہیں:

---

[1] شرح علی صحیح مسلم، ص:117/5

[2] سورۃ التوبۃ:18

"مساجد کی تعمیر سے مراد محض عمارت کی تعمیر نہیں ہے بلکہ اس میں نماز قائم کرنا، جماعت میں بار بار آکر شامل ہونا، علومِ نافعہ کا سیکھنا اور سکھانا، ان علوم نافع میں سب سے اہم علم یعنی قرآن مجید کا سیکھنا اور سکھانا اور اس جیسے دیگر معروف امور بجالانا شامل ہے"[1]

ان تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کو اخلاص مطلوب ہے ہوتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾[2]

ترجمہ: اور یہ کہ مساجد اللہ کے لیے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔

﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۔ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۔ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[3]

ترجمہ: جن گھروں کے بارے میں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کو بلند مقام دیا جائے، اوران میں اس کا نام لے کر ذکر کیا جائے، ان میں صبح وشام وہ لوگ تسبیح کرتے ہیں جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید وفروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکواۃ دینے سے۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور نگاہیں الٹ پلٹ کر رہ جائیں گی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے گا، اور اپنے فضل سے مزید کچھ اور بھی دے گا، اور اللہ جس کو چاہتا ہے، بے حساب دیتا ہے۔

مساجد کی آبادکاری کی فضیلت

نبی اکرم ﷺ نے اہلِ ثروت افراد کو خوش خبری سنائی ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعمیر کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے جنت میں گھر کی تعمیر کر دے گا:

---

[1] جامع البیان عن تاویل ای القرآن، ص:14/165

[2] سورۃ الجن:18

[3] سورۃ النور:38،37،36

((من بنى مسجدا، قال بكير: حسبت انه قال: يبتغى به وجه الله بنى الله له مثله فى الجنة))[1]

آپ ﷺ نے حکم صادر فرما دیا تھا کہ ہر محلے کے لوگوں کو چاہیے کہ وہ مسجد کی تعمیر کریں اور پھر اپنی اپنی مسجد کو پاک، صاف اور خوشبودار رکھا جائے:

((عن عائشة، قالت: "امر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المساجد فى الدور وان تنظف وتطيب))[2]

البتہ ساتھ ساتھ یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ مساجد کو بادشاہوں کے محلات کی طرز پر بلند و بالا اور پختہ تعمیر نہ کیا جائے:

((عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما امرت بتشييد المساجد))[3]

مساجد کی تعمیر و بلندی کی دوڑ میں ایک دوسرے پر جاہ و حشمت کا رعب ڈالنا بھی آپ ﷺ نے ممنوع قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ لوگ مساجد کی تعمیر میں ایک دوسرے پر غرور و فخر کرنا شروع کر دیں گے۔

مسجد اس اعتبار سے بھی روحانی امتیاز کی حامل ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد میں ادا کی گئی نماز کو اس نماز سے افضل قرار دیا جو گھر میں ادا کی جاتی ہے۔ امام بخاری کے مطابق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((صلاة الجميع تزيد على صلاته فى بيته، وصلاته فى سوقه خمسا وعشرين درجة، فإن احدكم إذا توضا فاحسن واتى المسجد لا يريد إلا الصلاة، لم يخط خطوة إلا رفعه الله بها درجة وحط عنه خطيئة حتى يدخل المسجد، وإذا دخل المسجد كان فى صلاة ما

---

1 صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب من بنی مسجدا، ص:1/ 97، حدیث نمبر:450

2 ابو داؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب اتخاذ المساجد في الدور، ص:1/ 124، حدیث نمبر:455

3 سنن ابو داؤد،، کتاب الصلاۃ، باب في بناء المساجد،، ص:1/ 124، حدیث نمبر455 (سکت عنه ،وقد قال في رسالته لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالحا، امام ابو داود نے جس حدیث کے بارے میں حکم نہیں لگایا وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے)(اس حدیث کے راوی حضرت عبد اللہ بن عباس ہیں۔ روایت کے آخر میں ان کے اپنے الفاظ بھی ہیں کہ "عنقریب تم لوگ مساجد کو منقش، مزین اور رنگ دار بناؤ گے۔ بالکل اسی طرح جس طرح یہودیوں نے اپنے معابد کو بنایا تھا۔)

كانت تحبسه وتصلی یعنی علیه الملائكة ما دام فی مجلسه الذی یصلی فیه، اللهم اغفر له اللهم ارحمه ما لم یحدث فیه))[1]

ترجمہ: گھر میں پڑھی جانے والی نماز سے مسجد میں پڑھی جانے والی نماز پچیس گنا زیادہ افضل ہے۔ جب بندہ وضو کر کہ مسجد کی جانب چلتا ہے تو اس کے ہر قدم کے بدلے میں ایک ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک ایک درجہ بڑھتا ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد فرشتے اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور جب تلک وہ مسجد میں رہتا ہے اس کو حالتِ نماز میں رہنے کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں کے لیے، جو فجر کی نماز اور عشا کی نماز مسجد میں ادا کرتے ہیں، یہ اعلان فرمادیا کہ ان لوگوں کو خوش خبری دے دو کہ دنیا میں اندھیروں میں نماز ادا کرنے کے بدلے میں ان کو قیامت کے روز پورا پورا نور ملے گا:

((بشر المشائین فی الظلم إلی المساجد بالنور التام یوم القیامة))[2]

ترجمہ: اندھیری راتوں میں مسجدوں کی طرف چل کر جانے والوں کو قیامت کے دن روشنی کی خوشخبری دے دو۔

مساجد میں ممنوع افعال

اللہ تعالیٰ نے مساجد کو صرف اپنے ذکر کے لیے مخصوص فرمار کھا ہے اور اس میں غیر دینی امور کی انجام دہی سے منع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾[3]

ترجمہ: اور مسجدیں اللہ تعالیٰ کی یاد کے واسطے ہیں سو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کل مخلوقات اللہ ہی کی پیدا کردہ ہیں لیکن مساجد کا معاملہ دیگر مقامات سے مختلف ہے۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ مساجد عبادات کے لیے مخصوص ہیں، ان کے ذریعے اللہ کی اطاعت کا پیغام پھیلتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب الصلاة فی مسجد السوق، ص: 1 / 103، حدیث نمبر 477

[2] سنن ابو داؤد، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی المشی إلی الصلاة فی الظلام، ص: 1 / 154 حدیث نمبر 561، (سكت عنه ،وقد قال في رسالته لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالح)

[3] سورة الجن: 18

کی خاص ملکیت میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی ملکیت کا کوئی بھی حق دار نہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کا حق دار کوئی نہیں ہے اسی طرح مساجد کی نسبت و ملکیت کو بھی اس کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا ہے[1]۔

نبی اکرم ﷺ نے مسجد کو اللہ تعالیٰ کا گھر قرار دیتے ہوئے فرمایا:

((ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله یتلون کتاب الله ویتدارسونه بینهم الا نزلت علیهم السکینة، وغشیتهم الرحمة وذکرهم الله فیمن عنده))[2]

ترجمہ: جب لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی ایک گھر میں جمع ہو کر اس کی آیات کی تلاوت اور ان آیات کے دروس بیان کرتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا تذکرہ ان مخلوقات کے سامنے کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں۔

مساجد کی تعمیر خالصتاً روحانی بنیادوں پر کی جاتی ہے۔ اس لیے ان میں وہی اعمال انجام دینے کی اجازت ہے جن کا تعلق عبادات اور روحانی فیض کے ساتھ ہو۔ دنیاوی مقاصد کے حصول کے لیے مساجد کا استعمال منع کر دیا گیا ہے۔ ایک شخص کا اونٹ نبی ﷺ کے زمانے میں گم ہو گیا۔ وہ مسجد نبوی میں آیا اور اس نے لوگوں سے اپنے اونٹ کی بابت پوچھنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ اس کو یہ کام کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو سخت ناپسند فرمایا اور بد دعا فرمائی کہ اللہ کرے کہ تجھے تیرا اونٹ نہ ملے۔ مسجدیں صرف اسی کام میں استعمال ہونی چاہییں جس کام کے لیے ان کو تعمیر کیا گیا ہے[3]۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے قانون بنادیا کہ مسجد میں کسی قسم کی تجارت اور محافلِ مشاعرہ کا انعقاد اسلامی قانون کی رو سے ممنوع ہے۔ نیز اس کے باوجود اگر کوئی شخص مسجد میں کسی گم شدہ چیز کی تلاش میں آئے اور اعلان کرنا شروع کر دے تو اس شخص کے بارے میں سامعین کے لیے ہدایات جاری کر دیں کہ اس کو بد دعا دیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری گم شدہ چیز تمہیں واپس نہ

---

1 محمد بن علی العرفج، الشروع والممنوع فی المسجد، وزارۃ الشئون الاِسلامیہ والأوقاف والدعوۃ والاِرشاد، طبع 1499ھ، ص: 6

2 أبو داود سلیمان بن الأشعث سنن أبي داود، المکتبہ العصریہ، صیدا- بیروت، أبواب قراءۃ القرآن وتحزیبہ وترتیلہ، باب في ثواب قراءۃ القرآن، ص:2/71، حدیث نمبر:1455، (سكت عنه ،وقد قال في رسالته لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالح)

3 صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب النھي عن نشد الضالۃ فی المسجد ومایقولہ من سمع الناشد، ص:1/397 حدیث نمبر 569

لوٹائے[1]۔ مسجد میں پاگل لوگوں کا آنا، خرید و فروخت کرنا، لڑائی جھگڑا کرنا، بلند آواز سے بولنا، تلواریں ننگی کرنا[2] اور حد جاری کرنا ممنوع قرار دیتے ہوئے[3] آپ ﷺ نے اس کو اسلامی معاشرے کا ممتاز ترین مقام قرار دیا۔

اس روایت کی پیروی کی بہترین مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ملتی ہے جب انھوں نے دو لوگوں کو مسجد میں اونچی آواز میں باتیں کرتے ہوئے سنا تو ان کو بلا کر سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم دونوں مدینہ کے باسی ہوتے تو میں تمہیں اس جرم کی پاداش میں سخت سزا دیتا[4]۔

مسجد اللہ تعالی کا گھر ہے اس کا تقدس اور احترام دیگر مقامات سے مختلف ہے اس میں وہ افعال اور اعمال ادا کئے جائے جو اللہ تعالی کو مطلوب ہو۔

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (المتوفی: 279ھ)، الجامع الكبير - سنن الترمذي، دار الغرب الإسلامي - بيروت، 1998م، أبواب البيوع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب النهي عن البيع فی المسجد، ص:2/602 حدیث نمبر 1321

[2] البتہ یہ اجازت دے دی گئ ہے کہ اگر کوئی شخص تیز یا نیزہ لے کر مسجد میں سے گزرے تو اس کو چاہیے کہ اس کا پھل اپنے قابو میں رکھے تا کہ کسی کو اس سے کوئی نقصان نہ ہو۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 452)

[3] ابن ماجة أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني، (المتوفى: 273ھ)، سنن ابن ماجہ، دار إحياء الكتب العربية، کتاب المساجد والجماعات، باب مایکرہ فی المساجد، ص:1/247، حدیث نمبر 750

[4] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب رفع الصوت فی المساجد، ص:1/101، حدیث نمبر 470

فصل دوم: مسجد کا تعلیمی وسیاسی کردار

تعلیم انسان کو دیگر مخلوقاتِ کائنات کے مقابلے میں ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تعلیم کے ذریعے ہی فرشتوں پر فوقیت عطا فرمائی تھی۔اس کے بعد تمام انبیاء کی دعوت و تبلیغ کا منطقی و مرکزی نقطہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم حاصل کرنا ہی رہا ہے۔جب کہ زندگی کے ہر شعبے میں انسان نے علم و تجربہ کی بنیاد پر ہی متنوع اسالیب وطریقہ ہائے کار دریافت کر کے ان سے استفادہ کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی تعلیم کی طرف رہنمائی کرنے کے حوالے سے تھی جس میں پہلا حکم "اقرا"یعنی پڑھو اور آخری آیت "عَلمَ الاِنسَانَ مَالَم یَعلَم" کے اسلوب میں تعلیم کو اللہ تعالیٰ کے احسان کے طور پر بیان فرمایا گیا تھا۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اقۡرَأۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (1)خَلَقَ الۡإِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ (2)اقۡرَأۡ وَرَبُّكَ الۡأَكۡرَمُ (3)الَّذِي عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ (4)عَلَّمَ الۡإِنۡسَانَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ (5)﴾[1]

ترجمہ:پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا،اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا،پڑھو،اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے،جس نے قلم سے تعلیم دی،انسان کو اس بات کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو علم و عرفان کا منبع قرار دیتے ہوئے انسانوں کو باور کرایا ہے کہ ان کہ حیثیت محض عالم و خابر کی ہے۔اللہ کا فرمان ہے

﴿وَفَوۡقَ كُلِّ ذِي عِلۡمٍ عَلِيمٌ﴾[2]

ترجمہ:اور جتنے علم والے ہیں،ان سب کے اوپر ایک بڑا علم رکھنے والا موجود ہے۔

---

[1] سورۃ العلق:1 تا 5

[2] سورۃ یوسف:76

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کے بارے میں اپنی ذات اور ملائکہ کے ساتھ ساتھ اہلِ علم کو بھی گواہ قرار دیا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾[1]

ترجمہ: اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے اور (یہی شہادت) فرشتوں اور اہل علم نے بھی دی ہے۔ وہ انصاف پر قائم ہے۔ اس زبردست حکیم کے سوا بالکل کوئی سچا معبود نہیں ہے۔

اس کی وجہ ایک دوسرے مقام پر یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کا تقویٰ اختیار کرنے والے لوگ وہی ہیں جنہیں علم کی نعمت سے مالا مال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ﴾[2]

ترجمہ: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں، بیشک اللہ زبردست اور درگزر فرمانے والا ہے۔

یہ ایت علماء کی شان بیان کرتی ہے اور اس امتیاز کو حاصل کرنے کیلئے اللہ سے تقوی اور خشیت ضروری ہے۔ علم محض جان لینے کا نام نہیں، خشیت و تقویٰ کا نام ہے۔ عالم وہ ہے جو رب سے تنہائی میں ڈرے اور اس میں رغبت رکھے اور اس کی ناراضگی سے بچے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں فرق مراتب کو علمی ترفع کے ساتھ مشروط کرتے ہوئے یہ اعلان فرمادیا ہے کہ دنیاو آخرت میں صرف ان لوگوں کو ہی اللہ تعالیٰ عزت وعظمت سے نوازتا ہے جن کے پاس علم اور ایمان کی دولت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾[3]

---

[1] سورۃ آل عمران:18

[2] سورۃ فاطر:28

[3] سورۃ المجادلہ:11

ترجمہ: جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اللہ ان کے اور ان لوگوں کے درجات بلند فرمائے گا جنہیں علم عطا ہوا ہے اور اللہ کو سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لیے جن فرائض کی توضیح بیان فرمائی ہے ان میں سے حصولِ علم بھی ایک ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((طلب العلم فریضة علی کل مسلم)) [1]

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں نبی ﷺ کے فرائض منصبی میں معلمی کا فریضہ بطورِ خاص ذکر کیا گیا ہے۔ الہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾[2]

ترجمہ: جیسا کہ ہم نے بھیجا تمہارے اندر ایک رسول جو تم میں سے ہے وہ تلاوت کرتا ہے تم پر ہماری آیات اور تمہیں پاکیزہ بناتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تم کو وہ چیزیں سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔

خود آپ ﷺ نے بھی معلمی کو اپنے اوصاف میں شمار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

((انما بعثت معلماً)) [3]

---

[1] سنن ابن ماجہ، الکتاب فی الایمان وفضائل الصحابۃ والعلم، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ص: 1/ 81، حدیث نمبر 224 (صححہ الالبانی فی صحیح الجامع ص: 3914، یہ سلسلہ احادیث صحیحہ کا مجموعہ ہے جس میں امام ناصر البانی نے صحیح احادیث کو جمع کیا ہے۔)

2 سورۃ البقرہ: 151

[3] سنن ابن ماجہ، الکتاب فی الایمان وفضائل الصحابۃ والعلم، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ص: 1/ 83، حدیث نمبر 229 (ضعفہ الالبانی فی سلسلۃ الضعیفہ ص: 11، یہ سلسلہ احادیث ضعیفہ کا مجموعہ ہے جس میں امام ناصر البانی نے ضعیف احادیث کو جمع کیا ہے)

ترجمہ: بے شک مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔

اس معلمی کی وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس ہدایت اور علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے اس کی مثال زمین پر برسنے والی تیز بارش کی طرح ہے ۔زرخیز زمین اس پانی کو پی کر کثیر مقدار میں گھاس اور سبزہ پیدا کرتی ہے جب کہ سخت خطہ ارضی اس پانی کو روک لیتی ہے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس پانی کے ذریعے فائدہ دیتا ہے۔ وہ اس سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں اور دوسروں کی پیاس بجھاتے ہیں۔ چٹیل زمین تک یہ پانی پہنچتا ہے تو وہ نہ خود اس کو روکتی ہے اور اور نہ اس کے ذریعے چٹیل زمین کوئی کوئی سبزہ اگتا ہے۔ اسی طرح انسانوں کی مثال ہے۔ ایک وہ شخص ہے جو اس دین کی سمجھ پیدا کر کے لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے ، جس دین کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔ وہ خود اس دین کا علم سیکھتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جس نے اس ہدایت اور دین کی طرف سر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں ہے جس ہدایت اور دین کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے[1]۔

مسجد میں تعلیم

اسلامی معاشرے میں تعلیم کو عام کرنے میں جن اداروں کا اساسی کردار ہے ان میں مسجد سرِ فہرست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ادوارِ حکومت میں ہمیں تمام معروف مساجد تعلیمی سرگرمیوں کے مراکز کی صورت میں نظر آتی ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے مساجد کو تعلیمی سرگرمیوں کے لیے افضل ترین مقامات میں شمار فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((وما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتهم الملائكة، وذكرهم الله فيمن عنده))[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب فضل من علم وعلم ص:1/27، حدیث نمبر79

[2] أبو داود سليمان بن الأشعث، سنن أبي داود، المكتبہ العصريہ، صيدا- بيروت، أبواب قراءة القرآن وتحزيبه وترتيله، باب فی ثواب قراءة القرآن، ص:2/71، حدیث نمبر:1455(سكت عنه ،وقد قال في رسالته لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالح)

ترجمہ:اور جو لوگ جمع ہوں اللہ کے کسی گھر میں اللہ کی کتاب پڑھیں اور ایک دوسرے کو پڑھائیں تو ان پر اللہ کی رحمت اترے گی اور رحمت ان کو ڈھانپ لے گی اور فرشتے ان کو گھیر لیں گے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر کرے گا اپنے پاس رہنے والوں میں (یعنی فرشتوں میں) ۔

مذکورہ حدیث میں مسجد کو تعلیمی سرگرمیوں کا گہوارہ قرار دیتے ہوئے اس کی فضیلت کو اس اسلوب میں بیان کیا گیا ہے کہ دنیاوی مقاصد اور اخروی مقاصد ایک ساتھ پورے ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔یہی حدیث صحیح مسلم میں اس طرح بھی موجود ہے کہ:

((لا یقعد قوم یذکرون اللہ عز وجل إلا حفتهم الملائكة، وغشيتهم الرحمة، ونزلت عليهم السكينة وذكرهم الله فيمن عنده))[1]

ترجمہ:جو لوگ بیٹھ کر یاد کریں اللہ تعالیٰ کی تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور سکینہ (اطمینان اور دل کی خوشی) ان پر اترتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں مسجد نبوی تعلیم وفکری سرگرمیوں میں مرکز کی حیثیت رکھتی تھی۔ صحابہ کرام اس میں اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کو اپنے علم اور فہم سے استفادہ کا موقع دیتے تھے۔ایک مرتبہ نبی ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ صحابہ وہاں پہلے سے موجود تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم یہاں اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس کا شکر کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں جہالت اور شرک کی زندگی سے نکال کر توحید اور نور کی طرف ہدایت فرما کر ہم پر احسان فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اتانی جبریل فاخبرنی ان اللہ عز وجل یباھی بکم الملائكة))[2]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب العلم باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، ص:4/2074، حدیث نمبر 2700

[2] ایضا، ص:4/2075، حدیث نمبر 2701

ترجمہ: میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی فضیلت بیان کر رہا ہے فرشتوں کے سامنے۔

اس کی واضح دلیل یہ واقعہ ہے کہ:

خود رسول اکرم ﷺ بھی مسجد نبوی میں تعلیمی محافل کا انعقاد فرماتے تھے۔ صحابہ کرام ان مجالس میں شرکت کرتے اور اپنے علم میں اضافہ کرتے تھے۔ ان مجالس کی نوعیت غیر رسمی تھی اس لیے ان میں شرکت کرنے کی سب کو اجازت ہوتی تھی۔ آپ ﷺ مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے حلقے میں تشریف فرما تھے کہ باہر سے تین لوگ داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک شخص واپس چلا گیا جب کہ دو لوگ آپ ﷺ کی مجلس میں شریک ہو گئے۔ ایک شخص نے درمیان میں خالی جگہ دیکھی تو وہاں براجمان ہو گیا جب کہ دوسرا شخص پیچھے بیٹھ گیا کیونکہ اس کو آگے جگہ نہیں مل سکی تھی۔ آپ ﷺ نے وعظ مکمل کر کے صحابہ کرام کو ان تینوں اشخاص کے بارے میں بتایا کہ جو شخص درمیان میں آکر بیٹھا، وہ اللہ کی طرف آگے بڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جگہ عطا فرما دی۔ دوسرے شخص نے لوگوں میں گھس کر بیٹھنے سے شرم کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے شرم کی۔ تیسرے شخص نے منہ پھیر لیا اور چلا گیا، اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا[1]۔

اس حدیث کے ضمن میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"اس حدیث میں علم و ذکر کے حلقہ کے قائم کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے۔ ایسا حلقہ جس میں علماء مسجد میں بیٹھتے ہیں۔ اس میں حیادار شخص کی تعریف بیان کی گئی ہے اور اس شخص کی بھی توصیف کی گئی ہے جس کو مسجد میں منعقد ہونے والی ایسی مجلس میں جہاں جگہ ملتی وہ وہاں بیٹھ جاتا ہے"[2]

الشیخ عبد اللہ بن باز[3] رحمہ اللہ اس حدیث کے درس کے دوران فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الحلق والجلوس فی المسجد ص: 1/ 102، حدیث نمبر 474

[2] احمد ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، المکتبۃ السلفیۃ، ص: 1/ 157

[3] شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن بازؒ 1910ء میں ریاض میں پیدا ہوئے۔ ان کی وفات 1999ء میں طائف میں ہوئی۔ بیت اللہ شریف میں تاریخی جنازہ ہوا مکہ مکرمہ میں ہی دفن ہوئے۔

"اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کو چاہیے کہ مسجد میں حلقے بنائے جن سے عوام الناس استفادہ کریں۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم کو مساجد میں منعقد ان حلقوں میں شامل ہونا چاہیے اور اپنی حاضری کو مستقل مزاجی کے ساتھ برقرار رکھنا چاہیے۔اس کو چاہیے کہ حلقے میں اس وقت آ کر شریک ہو جب وہ شروع ہوتا ہے اور اس کے اختتام تک وہیں بیٹھا رہے"[1]

معلوم ہوتا ہے کہ یہ محافل باقاعدہ کسی نظام الاوقات کے مطابق منعقد نہیں کی جاتی تھیں۔اسی طرح بعض اوقات لوگوں کی حاضری میں کمی بیشی بھی واقع ہوتی تھی جس کی وجہ سے آپ ﷺ صحابہ کرام میں ایسی مجالس میں شرکت کی ترغیب بھی پیدا کرتے تھے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس کے مطابق نبی ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی میں اتنی استطاعت ہے کہ وہ ہر روز مدینہ کے دو بازاروں بطحان یا عقیق میں جائے اور بڑے کوہان والی دو اونٹنیاں کما کر لائے۔صحابہ کرام نے عرض کہ ایسا کرنا بھلا کس کے لیے ممکن ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((افلا يغدو احدكم إلى المسجد فيعلم، او يقرا آيتين من كتاب الله عز وجل، خير له من ناقتين، وثلاث خير له من ثلاث، واربع خير له من اربع، ومن اعدادهن من الإبل))[2]

ترجمہ: پھر تم میں سے ہر شخص مسجد میں کیوں نہیں جاتا اور اللہ کی کتاب میں سے دو آیات کی تعلیم حاصل کر کے دوسروں کو کیوں نہیں سکھاتا؟ یہ دو آیتیں دو اونٹنیوں سے اور تین آیتیں تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں، اسی طرح جتنی آیات وہ سیکھ کر سکھائے گا وہ اتنی ہی اونٹنیوں سے بہتر ہوں گی۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

---

[1] الشیخ ابن باز کا یہ قول ڈاکٹر سعید بن علی بن وھف القحطانی نے نقل کیا ہے۔(المساجد، موسسۃ الجریسی للتوزیع والاعلان، الریاض، سعودی عرب، ص:119

[2] صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب فضل قراءۃ القرآن فی الصلاۃ وتعلمہ، ص:1/552، حدیث نمبر 803

"اس حدیث کا مقصد قرآن مجید کو سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب دینا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے اونٹوں کی مثال اس لیے دی کیونکہ وہ اس جانور سے پہلے ہی باخبر تھے۔ دراصل یہ بتانا مقصود تھا کہ مسجد میں جا کر قرآن مجید کی تعلیم میں شرکت کرنا دنیا اور اس کی ہر نعمت سے زیادہ فائدہ مند ہے۔"[1]

مسجد میں تعلیمی پہلو کی نوعیت

مسجد میں کس طرح کی تعلیم دی جاسکتی ہے؟ اس کا جواب معلم، متعلم اور اس مضمون پر منحصر ہے جس کی تعلیم مسجد میں دینا زیر غور ہے۔ صحیح بات تو یہی ہے کہ مسجد میں ہر طرح کا نافع علم سکھایا جاسکتا ہے۔ ایسا علم جس کی وجہ سے مسجد کا روحانی پاکیزگی پر مبنی ماحول خراب نہ ہو۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل احادیث پیش کی جاسکتی ہیں:

1۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

((لما انزلت الآیات من سورۃ البقرۃ فی الربا، خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلی المسجد فقراھن علی الناس، ثم حرم تجارۃ الخمر))[2]

ترجمہ: جب سود سے متعلق سورۃ البقرہ کی آیات نازل ہوئیں تو آپ ﷺ مسجد نبوی میں گئے اور لوگوں کو آیات پڑھ کر سنائیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ شراب کی تجارت حرام ہے۔

2۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ ہمیں احرام کس جگہ آکر باندھنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے اس کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

((یھل اھل المدینۃ من ذی الحلیفۃ، ویھل اھل الشام من الجحفۃ، ویھل اھل نجد من قرن))[3]

---

[1] المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم، ص:2/429

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب تحریم تجارۃ الخمر فی المسجد، ص:1/99، حدیث نمبر 459

[3] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب ذکر العلم والفتیا فی المسجد ص:1/38، حدیث نمبر 133

ترجمہ: مدینہ کے باسی ذوالحلیفہ میں آکر احرام باندھیں، شام کے باسی جحفہ میں آکر احرام باندھیں اور نجد کے باسی قرن میں آکر احرام باندھیں۔

3۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ منبر پر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک آدمی نے ان سے سوال پوچھا کہ رات کی نماز ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو دو رکعت کر کے پڑھو۔ آخر میں ایک رکعت پڑھو۔ آخر میں پڑھی گئی ایک رکعت ساری نماز کو طاق بنادے گی[1]۔

4۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے بریرہ (حضرت عائشہ کی آزاد کردہ کنیز) سے کہا کہ میں تمہیں تمہارے مالک سے خرید کر ولاء کا تعلق اپنے ساتھ بنالیتی ہوں۔ جب آپ رضی اللہ عنہا نے اس کے آقاؤں کو پیغام بھیجا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر آپ اس کو خریدنا چاہتی ہیں تو اس کی باقی رقم ادا کر دیں لیکن اس کے ولاء کے اختیارات ہمارے پاس ہی رہیں گے۔ نبی ﷺ کو جب اس کی خبر ملی تو آپ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ما بال اقوام یشترطون شروطا لیست فی کتاب الله، من اشترط شرطا لیس فی کتاب الله فلیس له وإن اشترط مائة مرة"))[2]

ترجمہ: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرائط لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں موجود نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسی کوئی بھی شرط لگائے گا جو اللہ کی کتاب میں مذکور نہیں ہے تو اس شرط کی کوئی وقعت نہیں ہو گی خواہ اس نے وہ شرط ایک سو مرتبہ لگادی ہو۔

5۔ صحابہ کرام سے متعلق بھی متعدد ایسی روایات موجود ہیں جن کے مطابق وہ مساجد میں علمی حلقے بپا کرتے تھے۔ اس کی بہترین مثال اہلِ صفہ ہیں جو کسی قاری کے گرد جمع ہوتے اور اس قاری سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس درس گاہ میں مقیم طلبہ کے ساتھ ساتھ مدینہ کے مقامی لوگوں کو بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ مقامی لوگوں کی تعداد تقریباً برابر رہتی تھی البتہ مقیم طلبہ کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی[3]۔

---

1 صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الحلق والجلوس فی المسجد ص:1/ 102، حدیث نمبر 472

2 صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب ذکر البیع والشراء علی المنبر فی المسجد، ص:1/ 98 حدیث نمبر 456

3 ڈاکٹر حمید اللہ، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی، طبع 1987ء، ص:196

6۔ حضرت عمر نے نبی ﷺ کی مجلس کے توسط سے حصول تعلیم کے لیے اپنے ایک پڑوسی کے ساتھ یہ معاہدہ کر رکھا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

"میں اور عوالی مدینہ میں قبیلہ بنی امیہ بن زید کا ایک انصاری میرا پڑوسی ہم دونوں باری باری رسول اللہ ﷺ کی مجلسِ علم میں جایا کرتے تھے، ایک دن وہ جاتا اور ایک دن میں جاتا، جب میں جاتا تو اس دن کی خبر لاتا اور جس دن وہ جاتا وہ بھی اسی طرح کرتا تھا"[1]

7۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق مسجد نبوی تعلیم و تعلم کا مرکز تھی۔ تمام صحابہ کرام چونکہ کھیتی باڑی اور کاروبارِ دنیا کے لوازمات کے انتظام میں مصروف رہتے تھے۔ اس لیے مسجد نبوی میں نبی ﷺ کے ساتھ شریکِ مجلس ہونے والے صحابہ کرام ان لوگوں تک آپ ﷺ کی تعلیمات پہنچا دیتے تھے جو مسجد میں موجود نہیں ہوتے تھے[2]۔

المختصر عہد نبوی میں مسجد کو تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز بنا دیا گیا تھا اور دینی و دنیوی معاملات سے متعلق صحابہ کرام کی تربیت کی جاتی تھی۔

مسجد کا سیاسی کردار

عہد نبوی میں مسجد مسلمانوں کی تمام سرگرمیوں کا مرکز ہوا کرتی تھی۔ یہ محض عبادت اور نماز کی جگہ نہیں تھی بلکہ جس طرح نماز کے لیے مسجد عبادت گاہ تھی اسی طرح حصول علم کے لیے مدرسہ، ادبی سرگرمیوں کے لیے مسند، مشاورتی امور

ڈاکٹر محمد حمید اللہ 9 فروری 1908 کو پیدا ہوئے۔ معروف محدث، فقیہ، محقق، قانون دان اور اسلامی دانشور تھے اور بین الاقوامی قوانین کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ تاریخ حدیث پر اعلیٰ تحقیق، فرانسیسی میں ترجمہ قرآن اور مغرب کے قلب میں ترویج اسلام کا اہم فریضہ نبھانے پر آپ کو عالمگیر شہرت ملی۔ 10 دسمبر، 2002ء کو وفات پائے۔
https://ur.wikipedia.org/wiki/
Accessed:05/06/2018

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم، ص:1/ 29، حدیث نمبر 89
قاضی اطہر مبارک پوری، خیر القرون کی درس گاہیں، ادارہ اسلامیات، کراچی، طبع 2000ء، ص: 45
[2] محمد بن عبد اللہ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع 2002ء، ص:1/ 127

کے لیے پارلیمنٹ اور باہمی تعارف کی خاطر نقطہ ملاقات کا کام دیتی تھی۔ عرب کے دور دراز علاقوں سے وفود آتے تو مسجد ہی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا انتظام ہوتا اور تمام دینی، معاشرتی اور سیاسی تربیت کے لیے آپ مسجد ہی میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ دینی وسیاسی مسائل سے نبر آزما ہونے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس الگ الگ مراکز نہیں تھے۔ دونوں طرح کے مسائل مسجد ہی میں نمٹائے جاتے تھے۔

سیاسی وفود سے ملاقات

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تقسیم غنائم اور وفود سے سرکاری ملاقاتیں مسجد میں ہی ہوتی تھیں اور سفراء کو مسجد ہی میں ٹھہرایا جاتا تھا۔ حضور ﷺ نے عرب کے مختلف وفود کو مسجد میں ٹھہرایا اور ان کے ساتھ مسائل پر گفتگو کی ہے ان میں سے بعض وفود نے اسلام بھی قبول کیا ہے۔

وفد بنی سعد بن بکر

9 ہجری میں بنو سعد بن بکر کی نمائندگی کیلیے حضرت ضمام رضی اللہ عنہ بن ثعلبہ دربار رسالت میں حاضر ہونے کیلئے بدوی سادگی کیساتھ مدینہ منورہ پہنچے اور اپنی ناقہ کی مہار تھامے بلا تکلف مسجد نبوی ﷺ میں چلے گئے۔ حضور ﷺ اس وقت صحابہ کرام کے حلقے میں تشریف فرما تھے۔ ضمام نے سانڈنی کو ایک کونے میں بٹھایا اور مجمع کے قریب پہنچ کر سلام وکلام کے بغیر گویا ہوئے۔

آپ لوگوں میں محمد (ﷺ) ابن عبد المطلب کون صاحب ہیں صحابہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کہ کہا،

> "یہ گورے رنگ کے جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں ضمام نے کہا،"اے ابن عبد المطلب آپ کا داعی ہمارے پاس آیا تھا۔ اس نے چند باتیں آپ کی طرف سے ہمارے سامنے پیش کیں۔ میں ان کی طرف سے تصدیق کرانا چاہتا ہوں۔ آپ میرے بدوی لہجے کی درشتی سے دل میں غبار تو نہ لایئے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا،"تم جو پوچھنا چاہتے ہو بلا تکلف پوچھو! سوال وجواب تمام ہونے کے بعد ضمام رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھا اور کہا: میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے میں اپنی قوم کا قاصد ہوں جو میرے پیچھے ہے اور میں بنو سعد بن بکر کا بھائی ہوں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنایا ہے۔ میں ان باتوں پر جو آپ نے مجھے بتائی ہیں ذرہ برابر

کمی بیشی نہ کروں گا" یہ کہہ کر وہ اسی وقت واپس چل پڑے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اگر یہ شخص سچ کہہ رہا ہے تو ضرور جنت میں داخل ہو گا"[1]

وفد بنی صدف

فتح مکہ کے بعد دس آدمیوں پر مشتمل بنو صدف کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا۔ یہ لوگ تہبند باندھے اور چادریں اوڑھے اپنی اونٹنیوں پر سوار تھے جس وقت بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے حضور ﷺ کاشانہ اقدس اور منبر کے درمیان تشریف فرما تھے معلوم نہیں کیا سبب تھا کہ ان لوگوں نے سلام عرض نہ کیا اور خاموشی سے بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا، کیا تم مسلمان ہو؟ انہوں نے عرض کیا "جی ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا، پھر تم نے سلام کیوں نہیں کیا؟ حضور ﷺ کا ارشاد سن کر وہ سب کھڑے ہو گئے اور اس طرح سلام عرض کیا:

"السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ" آپ نے جواب دیا، "وعلیکم السلام" اور پھر ان سے بیٹھنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ یہ حضرات بیٹھ گئے اور انہوں نے آنحضور ﷺ سے اوقات نماز دریافت کیے جو آپ نے انہیں بتائے۔[2]

مختلف وفود مسجد نبوی میں پڑاؤ کرتے اور نبی ﷺ سے اسلام کی تعلیمات سیکھتے تھے۔ ان میں وفدِ عبد القیس[3]، وفد ثقیف[4]، وفد فولان[5] اور وفد بہرا[6] کی تفصیلات ہم تک پہنچی ہیں۔

---

[1] طالب الہاشمی، وفود عرب بارگاہ نبوی میں، ص:285، شفیق الاسلام فاروقی حرا پبلیکشنز فضل الٰہی مارکیٹ اردو بازار لاہور، طبع 1991

[2] وفود عرب بارگاہ نبوی میں، ص:156

[3] محمد بن سعد البغدادی، طبقات الکبریٰ لابن سعد، دار صادر، بیروت، ص: 1 / 315

[4] ابن القیم الجوزی، زاد المعاد، لطبوعۃ الرسالۃ، بیروت، طبع 1979، ص: 1 / 315

[5] قاضی اطہر مبارک پوری، خیر القرون کی درس گاہیں، ص: 95، 96

[6] خیر القرون کی درس گاہیں، ص: 97

جنگی قیدیوں کے بارے میں صحابہ سے مشورہ

رسول ﷺ نے جنگ بدر کے بعد تین دن میں ہی قیام فرما کر مدینے کے لیے چل پڑے۔ آپ ﷺ کے ہمراہ مشرک قیدی بھی تھے اور مشرکین سے حاصل کیا ہوا مال غنیمت بھی۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کو اس کا نگران مقرر کیا تھا۔ جب آپ ﷺ وادی کے درے سے باہر نکلے تو درے اور نازیہ کے درمیان ایک ٹیلے پر پڑاؤ ڈالا اور وہی خمس (پانچواں حصہ) علیحدہ کر کہ باقی مال کو مسلمانوں پر برابر تقسیم کیا۔ آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے ایک بعد قیدیوں کی آمد ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں صحابہ رضی اللہ عنہ پر تقسیم فرمایا اوران کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔

صفی الرحمان مبارک پوری لکھتے ہے۔

> "جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا"یارسول اللہ ﷺ ! یہ لوگ چچیرے بھائی اور کنبے قبیلے کے لوگ ہیں۔ میری رائے ہے کہ آپ ﷺ ان سے فدیہ لے لیں۔ اس طرح جو کچھ ہم لیں گے وہ کفار کے خلاف ہماری قوت کا زریعہ ہو گا۔ اور یہ بھی متوقع ہے کہ اللہ انہیں ہدایت دے دے اور وہ ہمارے بازو بن جایئں"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ابن خطاب تمہاری کیارائے ہے؟ انہوں نے کہا:"واللہ میری رائے وہ نہیں ہے جو ابو بکر کی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ فلاں کو(جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قریبی تھا) میرے حوالے کریں اور میں اس کی گردن ماردوں عقیل بن ابی طالب کو علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کریں اور وہ اس کی گردن ماریں اور فلاں کو جو حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھائی ہے حمزہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کریں اور وہ اس کی گردن ماردیں یہاں تک کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لئے نرم گوشہ نہیں ہے، اور حضرات مشرکین کے صنادید وائمہ اور قائدین ہیں"[1]

حضور ﷺ کے یہ تمام مجالس مسجد نبوی ﷺ میں منعقد ہوتی تھی۔ جس میں آپ ﷺ بیٹھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کیساتھ مملکت کے امور کے بارے میں مشورہ فرماتے تھے۔

---

[1] صفی الرحمان مبارکپوری، الرحیق المختوم، ناشر المکتبہ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور، مئی 2002 ص:313

عہد خلافت میں مسجد سیاسی سرگرمیوں کا مرکز

عہد نبوی کی طرح خلفائے راشدین رضوان اللہ عنھم اجمعین کے عہد میں بھی مسجد مسلمانوں کی تمام دینی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ نامزد ہونے کے بعد اپنا پہلا سیاسی خطبہ مسجد ہی میں دیا تھا، جس میں انھوں نے اپنی سیاست کے خدوخال بیان فرمائے تھے۔

"ایھا الناس !فإني قد وليت عليكم ولست بخيركم، فإن أحسنت فأعينوني، وإن أسأت فقوموني، الصدق أمانة، والكذب خيانة، والضعيف فيكم قوي عندي حتى أريح عليه حقه إن شاء الله، والقوي فيكم ضعيف حتى آخذ الحق منه إن شاء الله، لا يدع قوم الجهاد في سبيل الله إلا ضربهم الله بالذل، ولا تشيع الفاحشة في قوم قط إلا عمهم الله بالبلاء، أطيعوني ما أطعت الله ورسوله، فإذا عصيت الله ورسوله فلا طاعة لي علي"[1]

ترجمہ: اے لوگو! میں تمہارا حاکم بنادیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر کوئی اچھا کام کروں تو میری مدد کرو اور غلطی کروں تو اصلاح کردو۔ دیکھو سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تم میں جو شخص کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے جب تک کہ میں اسے اس کا حق نہ دلادوں، انشاء اللہ اور تم میں جو شخص قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے۔ جب تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں ، انشاء اللہ۔ دیکھو جس قوم نے بھی اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیا اللہ نے اسے ذلیل کر دیا ہے اور جس قوم میں بھی بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس میں مصیبت کو بھی پھیلا دیتا ہے۔ دیکھو جب تک میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں، تم بھی میری اطاعت کرو اور جب میں خدا اور اسکے رسول کی نافرمانی کروں تو تم بھی میری اطاعت سے آزاد ہو"

اسی مسجد میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنا پہلا سیاسی خطبہ دیا تھا اور فرمایا تھا "اے لوگو! تم میں سے جو شخص مجھ میں کجی دیکھے تو اسے چاہیے کہ مجھے سیدھا کردے۔" کسی شخص نے دوران خطبہ برملا کہا کہ باخدا اگر ہم نے آپ کے اندر کوئی کجی پائی تو تلوار کی دھار پر آپ کو سیدھا کر دیں گے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ

[1] مفتی زین العابدین میرٹھی، خلافت راشدہ، نیو پبلک پریس گلی قاسم جان دہلی طبع 1984ء ص:39

عنہ نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ شکر ہے اللہ کا جس نے عمر کی رعایا میں ایسے لوگ پیدا فرمائے ہیں جو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلوار کی دھار پر سیدھا کر سکتے ہیں۔[1]

عہد بنوی ﷺ اور بعد کے اکثر خلفاء کے زمانے میں مسلمانوں کے تمام سرگرمیوں کا مرکز مسجد تھی۔ جس میں خلیفہ بیٹھ کر تمام معاملات کی نگرانی فرماتے تھے۔ اور اس زمانے میں جب مسلمانوں کو عروج حاصل تھا۔ لیکن جب اُمت مسلمہ میں انحطاط اور زوال کا دور شروع ہو گیا اور مسلم معاشرہ پسماندگی کا شکار ہو گیا تو مسجدوں نے بھی اپنا ہمہ جہت رول کھو دیا، وہ صرف نمازوں تک محدود ہو کر رہ گئیں اور جمعہ کے خطبے بے جان اور بے اثر ہو گئے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ مسجد کو وہی مقام اور مرتبہ دیا جایے جو عہد نبوی ﷺ میں تھا۔

[1] ایضا، ص:99

فصل سوم: مسجد کا تربیتی وعدالتی کردار

مسجد کے قیام کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو باجماعت نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ فراہم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر با جماعت نماز فرض کردی ہے۔ نماز کی باجماعت فرضیت کی اہمیت کا اندازہ اس بھی ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تاکیدی حکم صادر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾[1]

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم الشیخ عبداللہ بن باز فرماتے ہیں:

''ھذہ الآیۃ نص فی وجوب الجماعۃ[2]''

یہ آیت جماعت کے ساتھ نماز کو واجب قرار دینے کی نص ہے۔

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں مسجد کا تربیتی کردار

نبی اکرم ﷺ نے حکم صادر فرمار کھا تھا کہ تمام مسلمان مسجد میں نماز ادا کریں۔ جو لوگ جمعہ کی نماز میں مسجد میں نہیں آتے، ان کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا

((لقد هممت ان آمر رجلا يصلي بالناس، ثم احرق على رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم))[3]

ترجمہ: میرا ارادہ ہے کہ میں کسی شخص کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کا حکم دوں اور پھر ان مردوں کے گھروں کو جا کر جلادوں جو مسجد میں جمعہ کے وقت آنے سے کتراتے ہیں۔

---

[1] سورۃ البقرہ:43

[2] عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز، ثلاث رسائل فی الصلاۃ، الادارۃ العامۃ لمراجعۃ المطبوعات الدینیہ، الریاض، طبع 2008ء، ص:7

[3] صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، وبیان التشدید فی التخلف عنھا، ص:1/452، حدیث نمبر 652

حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک نابینا صحابی تھے اور انھوں نے عرض کی کہ میرا گھر مسجد نبوی سے ایک فاصلے پر واقع ہے اور مجھے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت عنایت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اگر تم آذان کی آواز سنتے ہو تو پھر مسجد میں آکر نماز ادا کرو[1]۔

جو لوگ مسجد کے علاوہ کسی جگہ نماز ادا کریں اور پھر وہ جماعت کے وقت مسجد میں پہنچ جائیں، ان کے لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کو چاہیے کہ وہ جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کریں، ان کی پہلے ادا کی گئی نماز نفل شمار ہو گی[2]۔

مسجد میں آکر نماز ادا کرنے کا ثواب انفرادی نماز سے بہت زیادہ ہے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تنہائی کی نماز سے مسجد میں باجماعت ادا ہونے والی نماز کا ثواب ستائیس درجے زیادہ ہے[3]۔

امام بخاری لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کی نماز اگر قضا ہو جاتی تو وہ کسی ایسی مسجد میں تشریف لے جاتے تھے جہاں جماعت کے ملنے کا امکان موجود ہوتا تھا[4]۔

نماز کو اس کے وقت پر مسجد میں ادا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے جواب میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ با جماعت نماز ادا کرنے کی صورت میں انسان کا نیک لوگوں کی صحبت میں اٹھنا بیٹھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس نماز کی برکت سے اس کے اعمال کی اصلاح اس طرح ہوتی ہے کہ اچھی صحبت کی وجہ سے اس میں عزتِ نفس کے تحفظ کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ یہ عزتِ نفس اور اس کا شدید احساس انسان کی ایسی تربیت کرتا ہے جو اس کو گناہوں اور جرائم سے باز رکھتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت اس بات سے ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ نماز انسان کو ان تمام کاموں سے روکتی

---

1 سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی التشدید فی ترک الجماعہ، ص:1 / 151، حدیث نمبر 552

2 سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فیمن صلی فی منزلہ ثم أدرک الجماعۃ یصلی معھم ص:1 / 151، حدیث نمبر 575، (سکت عنه ،وقد قال في رسالته لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالح)

3 صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ وکان الأسود: « إذا فاتته الجماعة ذهب إلى مسجد آخر » وجاء أنس بن مالك: « إلى مسجد قد صلي فيه، فأذن وأقام وصلى جماعة » ص:1 / 131 حدیث نمبر 646

4 صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب فضل الجماعۃ، ص:1 / 131

ہے جو اس کے کردار اور اس کے اعمال کو فحاشی، عریانی، نافرمانی اور گناہوں کی طرف مبذول کرنے میں کسی بھی قسم کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ﴾[1]

ترجمہ: آپ پڑھ کر سنائیں وہ چیز جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف کتاب سے اور قائم کریں نماز کو بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور برائی سے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

نبی ﷺ نے ایسی نماز کو اللہ کے ہاں غیر مقبول قرار دیا ہے جس کی وجہ سے نمازی کی زندگی فضولیات اور فحش کاموں سے مبرا نہ ہو۔ ایسا نمازی اللہ تعالیٰ کی قربت اور اس کی رحمت حاصل کرنے کے بجائے اس سے مزید دور ہوتا چلا جاتا ہے[2]۔

نبی اکرم ﷺ کو ایک مرتبہ ایک ایسے شخص کی خبر دی گئی جو نماز ادا کرتا تھا۔ صحابہ کرام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ نماز ادا کرنے کے ساتھ ساتھ وہ چوری بھی کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ بہت جلد اس شخص کی نماز اس کی چوری کرنے کی عادت کو چھڑا دے گی[3]۔

وہ شخص صحابہ کرام کے ساتھ مسجد میں ہی نمازیں ادا کرتا ہو گا اس لیے صحابہ کرام کو اس کے بارے میں معلومات ملی ہوں اور ان کے دلوں میں یہ تشویش پیدا ہوئی ہو گی کہ اس نمازی شخص کا اخروی انجام کیا ہو گا لیکن مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے سے اس کی بہتر تربیت کے امکانات سامنے آئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں یہ پیشن گوئی فرما دی کہ اس کا مستقبل ایسا نہیں ہو گا جیسا اس کا حال ہے کیونکہ مستقبل میں وہ شخص ایک نیک انسان کی صورت میں سامنے آئے گا۔

---

[1] سورۃ العنکبوت:45

[2] سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، معجم الکبیر، مکتبۃ ابن تیمیۃ، حدیث نمبر 11025

[3] احمد بن حنبل، المسند، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع 2008ء، ص 2/447

آپ ﷺ کے پاس ایک مرتبہ بحرین سے اچھی خاصی رقم آئی۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مطابق اتنی بڑی رقم کبھی بھی اس سے قبل نہیں آئی تھی۔ آپ ﷺ نے مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد اس کو صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا[1]۔

یہ صحابہ کرام کی تربیت کے لیے کیا گیا تھا تاکہ ان کو سکھایا جاسکے کہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے پاس ایک امانت کے طور پر بھیجا جاتا ہے اور اس کا اولین فریضہ یہ ہے کہ بطور حکمران وہ جس قدر جلد ہو سکے، اس کو عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دے۔ اس عمل کے لیے مسجد سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ تمام صحابہ آپ ﷺ کی اقتدا میں مسجد میں جمع ہو کر ہر نماز ادا کرتے تھے۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مسجد میں صحابہ کو عصر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیرنے کے فوراً بعد آپ ﷺ اپنی کسی زوجہ کے حجرے میں گئے، عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پریشان ہو گئے کہ آخر آپ ﷺ سلام پھیرتے ہی اپنی زوجہ کے حجرے میں کیوں گئے ہیں۔ چند ثانیے بعد آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو صحابہ کے چہروں پر پریشانی کے تاثرات دیکھ کر ان کو بتایا کہ میرے پاس سونے کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ نماز کے دوران میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس کا خیال میرے ذہن میں آئے۔ اس لیے میں نے جا کر اس کو صدقہ کرنے کا حکم دے دیا ہے[2]۔

تربیت کے اعتبار سے معاشرے میں بچے سب سے پہلے شمار کیے جاتے ہیں کیونکہ بچے قوم کا مستقبل ہیں اور ان کی تربیت قوم کے بہتر مستقبل کی ضامن ہے۔ اسلام میں مسجد ہی تعلیم و تربیت کا اولین مرکز تسلیم کی جاتی ہے اس لیے نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں بچوں کو اپنے ساتھ لانے کے عمل کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ اس ضمن میں ابن ماجہ کی ایک روایت پیش کی جاتی ہے جس کے مطابق نبی ﷺ نے بچوں کو مسجد میں لانے سے منع فرمایا۔

((جنبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم، وشراءكم، وبيعكم، وخصوماتكم، ورفع اصواتكم، وإقامة حدودكم، وسل سيوفكم، واتخذوا على ابوابها المطاهر، وجمروها في الجمع))[3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب القسمۃ، وتعلیق القنو فی المسجد، ص: 1 / 91، حدیث نمبر 421

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب من صلی بالناس، فذکر حاجۃ فتخطاھم ص: 1 / 170، حدیث نمبر 851

[3] سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، مایکرہ فی المساجد، ص: 1 / 247 حدیث نمبر 750

ترجمہ: اپنی مساجد کو بچوں، پاگلوں، تاجروں، جھگڑوں، بلند آواز میں گفتگو، قیامِ حدود، تلواریں کھینچنے سے محفوظ رکھو اور مساجد کے دروازوں پر بیت الخلا بناؤ۔ جمعہ کے دن مساجد میں خوشبو کا اہتمام کرو۔

یہ روایت ضعیف ہے۔ امام بوصیری نے اس کی سند میں موجود ایک راوی "حارث بن نبہان" کے ضعف پر اتفاق نقل کیا ہے[1]۔

یہی معجم الکبیر میں امام طبرانی نے بھی حضرت ابو درداء، ابو امامہ اور واثلہ رضی اللہ عنہم سے نقل کی ہے لیکن اس کی سند میں علاء بن کثیر اللیثی الشامی ضعیف ہے[2]۔

امام طبرانی یہ روایت حضرت معاذ سے بھی نقل کرتے ہیں لیکن معاذ رضی اللہ عنہ کے بعد تابعی مکحول ہیں۔ حضرت معاذ کی تابعی مکحول سے ملاقات ثابت نہیں ہے[3]۔

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مسجد کو محض عبادات کی غرض سے تعمیر نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی اس کا استعمال روحانی اعمال کی ادائیگی کے ساتھ ملزوم تھا، آپ ﷺ کے عہد میں مسجد میں مسلمانوں کی بہتری کے لیے تمام اہم سرگرمیاں عمل میں آتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انھوں نے نبی ﷺ کے پیچھے چھپ کر مسجد میں حبشیوں کے کھیل کا تماشا دیکھا[4]۔

وہ لوگ مسجد میں قتال کی تربیت کے حوالے سے متحرک تھے اور اسلحہ چلانا سیکھ اور سکھا رہے تھے۔ ان کے ساتھ تربیت کاران بھی موجود تھے جو اسلحہ کو قابو میں رکھنا جانتے تھے۔

---

[1] احمد بن ابو بکر بن اسماعیل البوصیری، مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجہ، جامعۃ اسلامیۃ، المدینۃ المنورۃ، طبع 1424ھ، ص: 1/95

[2] معجم الکبیر، احادیث ابو امامہ صدی بن عجلان، حدیث نمبر 7601

[3] معجم الکبیر، مراسیل معاذ بن جبل، حدیث نمبر 369، مجمع الزوائد، ص: 2/26

[4] صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب الرخصۃ في اللعب الذي لا معصیۃ فیہ في أیام العید، ص: 2/607، حدیث نمبر 892

البتہ عام حالات میں نبی ﷺ نے کسی کو بھی مسجد میں کھلا اسلحہ لے کر آنے سے منع فرما دیا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی مسجد میں سے گزرا۔ اس کے پاس تیر تھے۔ آپ ﷺ نے ان تیروں کو دیکھتے ہی فرمایا:

((امسك بنصالها كي لا يخدش مسلما))[1]

ترجمہ: ان تیروں کی پیکانوں کو پکڑ کر رکھو[2] تاکہ ان سے کسی مسلمان کو چرکہ نہ لگے۔

مسجد میں مسلمانوں کی تربیت کے لیے کوئی مخصوص کلاس کا اہتمام کرنا لازم نہیں ہے بلکہ حالات و مناسبات کے حوالے سے مبلغ یا معلم یہ فریضہ سر انجام دے سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن کے مطابق آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی مسجد میں تربیت فرمائی۔

آداب مسجد کی تربیت

یہاں لازم معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے اندر انسانی رویوں کے بارے میں اسلام نے جو احتیاطیں لاگو کی ہیں ان کا ذکر بھی کر دیا جائے تاکہ مسجد کے تقدس اور اس کے احترام کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کی وضاحت سامنے آسکے۔

1۔ پابندی وقت کی تربیت

مسجد انسان کو پابندی وقت سکھاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جمعہ کی نماز کی آذان ہو جائے تو ہر قسم کی مصروفیت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مسجد کی طرف آ جائیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب أمر من مر بسلاح فی مسجد أو سوق أو غیر ھا من المواضع الجامعۃ للناس أن یمسک بنصالھا، ص:4/2019، حدیث نمبر، 2615

[2] صحیح مسلم،، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب أمر من مر بسلاح فی مسجد أو سوق أو غیر ھا من المواضع الجامعۃ للناس أن یمسک بنصالھا، ص:4/2018، حدیث نمبر، 2614

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! جس وقت اذان پکاری جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن، پس کوشش کرو اللہ کے ذکر کی طرف، اور چھوڑ دو خرید و فروخت۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔

اس لیے آپ ﷺ نے نماز کو اولین وقت میں ادا کرنا بہترین اعمال میں شمار کیا ہے اور یہ قانون بنا دیا ہے کہ نماز کھڑی ہو جانے کی صورت میں مسجد میں دوڑتے ہوئے نماز کے ساتھ ملنا ممنوع ہے۔ نبی ﷺ نے اس ضمن میں ارشاد فرمایا:

((إذا اقیمت الصلاة، فلا تاتوها تسعون، واتوها تمشون وعلیکم السکینة، فما ادرکتم فصلوا، وما فاتکم فاتموا))[2]

ترجمہ: جب نماز کھڑی ہو جائے تو اس کی طرف دوڑتے ہوئے مت آو بلکہ سکون اور آرام کے ساتھ چل کر آؤ۔ جو نماز رہ جائے اس کے بعد میں مکمل کر لو۔

2۔ آداب مجلس کی تربیت

مسجد انسانی زندگی کے اہم ترین پہلو یعنی مجلس میں روا رکھا جانے والا رویہ سکھانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ وہ رویہ بیٹھنے کی جگہ کے تعین کے بارے میں ہے۔ مسجد میں چونکہ عموماً زیادہ لوگ دن میں پانچ مرتبہ جمع ہوتے ہیں اور محافل و مذاکروں کے دوران ان کی تعداد میں ایک لفظ کا اضافہ ہے اس لیے اس صورت حال میں ایک مسلمان کی تربیت کے اعتبار سے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اگر کوئی شخص کسی ضرورت کے تحت عارضی طور پر اپنی جگہ چھوڑ کر جائے تو اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو نہیں بیٹھنا چاہیے۔ جگہ چھوڑ کر جانے والا اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ وہی واپس آ کر اپنی جگہ پر بیٹھے[3]"۔

[1] سورۃ الجمعۃ:9

[2] صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب استحباب تقدیم الظهر فی أول الوقت فی غیر شدۃ الحر، ص:1/ 433، حدیث نمبر 620

[3] صحیح مسلم، کتاب السلام، باب إذا قام من مجلسه، ثم عاد فهو أحق به، ص:4/ 1715، حدیث نمبر 2179

مجلس میں اگر سب سے آگے کوئی جگہ خالی ہو تو پہلے اس کو پر کرنا چاہیے۔ بعد میں آنے والے کسی شخص کو آگے کوئی جگہ خالی نظر آئے تو اس کو چاہیے کہ پہلے وہ اس جگہ تک جانے کا کوئی ایسا راستہ تلاش کرے جس پر چلتے ہوئے اس کو لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگنی پڑیں۔ کیونکہ اس صورت میں مجلس میں بیٹھے ہوئے تمام افراد کی توجہ اصل مقصد و مدعا سے ہٹ کر اس شخص پر مرکوز ہو جاتی ہے جو گردنیں پھلانگ رہا ہوتا ہے۔ یہ آداب مجلس کے انتہائی خلاف ہے۔ چونکہ مسجد میں سب سے بڑا اجتماع جمعہ کے روز ہوتا ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے جمعہ کے اجتماع کے حوالے سے اس بارے میں خبردار کر دیا ہے کہ:

((مثل الذی یتخطی رقاب الناس یوم الجمعة والامام یخطب کالرافع قدمیه فی النار وواضعهما فی النار))[1]

ترجمہ: وہ شخص جو جمعہ کے روز لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے، اس وقت امام محوِ خطابت ہوتا ہے، گردنیں پھلانگنے والا شخص اپنا ہر قدم آگ میں اٹھاتا ہے اور ہر قدم آگ میں رکھتا ہے۔

یہی وعید ان الفاظ میں بھی موجود ہے کہ

((من تخطی رقاب الناس یوم الجمعة اتخذ جسرا الی جهنم))[2]

ترجمہ: جس نے جمعہ کے روز لوگوں کی گردنیں پھلانگیں اس نے جہنم کی طرف ایک پل بنالیا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمارہے تھے، ایک شخص کو دیکھا جو لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے آرہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو دیکھا تو فرمایا

((اجلس فقد اذیت))[3]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، ص:144/2 (ال شعیب الأرناؤوط: إسناده ضعیف، تخریج مشکل الآثار ص:3531)

[2] سنن ترمذی، أبواب الجمعة، باب ماجاء فی کراهیة التخطي یوم الجمعة ص:1/645، حدیث نمبر 513 وقال الترمذي: غریب لا نعرفه إلا من حدیث رشدین بن سعد وقد تکلم بعض أهل العلم في رشدین وضعفه من قبل حفظه

3 سنن ابوداؤد، تفریع أبواب الجمعة، باب تخطي رقاب الناس یوم الجمعة ص:1/292، حدیث نمبر 1118، (سکت عنه ،وقد قال في رسالته لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالح)

ترجمہ: بیٹھ جاؤ، تم نے لوگوں کو اذیت دی ہے۔

دنیا میں کسی بھی بڑی شخصیت کے سامنے بیٹھتے ہوئے انسان کچھ آداب کی پیروی کرنے کا مکلف ہوتا ہے۔ کسی افسر، پرنسپل، وزیر یا صدر کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ اپنے لباس اور کھڑے ہونے کے انداز میں کوئی ایسا پہلو سامنے نہ آئے جس سے اس کی توہین کا شائبہ ہو۔ اگر ایسا ہو جائے تو ممکن ہے کہ جس مقصد کے لیے متعلقہ شخصیت کے ساتھ ملاقات کی جا رہی ہے وہ مقصد پورا نہ ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جانے والے شخص میں یہ آداب مسجد کے ذریعے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مسجد اس طرز کی اخلاقی تربیت کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہر نمازی کے لیے لازم قرار دیا ہے کہ

((إذا توضأ احدكم فاحسن وضوءه، ثم خرج عامدا إلى المسجد فلا يشبكن يديه فإنه في صلاة))[1]

ترجمہ: جب وہ وضو کر کے مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کرنے سے گریز کرے کیونکہ مسجد میں وہ حالتِ عبادت میں ہوتا ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((فان التشبيك من الشيطان))[2]

ترجمہ: بے شک انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔

البتہ وعظ و نصیحت کے دوران اپنی بات کی توضیح کے لیے انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالنا جائز ہے۔ کیونکہ اس وقت انگلیوں کو ایک دوسرے میں اشارتاً پیوست کرنے کا مقصد کوئی علمی یا فکری نقطہ سمجھانا اور مسلمانوں کی تربیت کرنا ہوتا

1 سنن ابو داؤد، أبواب السفر، باب: كيف القراءة في الكسوف، ص: 1/ 701، حدیث نمبر 562، سکت عنہ، وقد قال في رسالته لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالح

2 مصنف ابن ابی شیبہ، ص: 2/ 75 (ضعفہ الالبانی فی سلسلۃ الضعیفہ ص: 2628)

ہے۔اس کی مثال بھی نبی ﷺ کے اسوہ سے ملتی ہے۔ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((إن المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا، وشبك اصابعه))[1]

ترجمہ: بیشک ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایک دیوار کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے۔اس سمجھاتے ہوئے آپ ﷺ نے انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست فرمائیں۔

3طہارت کی تربیت

انسانی تہذیب کا تقاضا ہے کہ جس طرح انسان کا لباس صاف ستھرا ہو اور اس میں گندگی اور بدبو نہ ہو اسی طرح اس کے جسم سے بھی کسی قسم کی بدبو نہیں آنی چاہیے۔ مثلاً منہ کی بدبو کا نقصان یہ ہو گا کہ اس کے ساتھ محو کلام ہونے والے اور اس کی مجلس میں بیٹھنے والے اس سے کراہت محسوس کریں گے۔ مسجد اس ضمن میں بھی انسانی تربیت میں انتہائی موثر کردار ادا کرتی ہے کیونکہ دن میں پانچ مرتبہ مسجد میں آنے والا شخص سب سے پہلے ان قوانین و آداب کی پابندی کرنے کا مکلف ہے جو اس پر لاگو کیے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

((من اکل الثوم او البصل من الجوع او غیرہ فلا یقربن مسجدنا))[2]

ترجمہ: جس نے بھوک یا کسی اور وجہ سے لہسن یا پیاز کھایا ہو اس کو چاہیے کہ وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔

((ولا یؤذینا بریح الثوم))[3]

ترجمہ: وہ ہمیں لہسن کی بدبو کے ساتھ نہ ستائے۔

ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب تشبیک الأصابع فی المسجد وغیرہ، ص:1/ 103، حدیث نمبر 481

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی الثوم النی والبصل والکراث، ص:1/ 170، حدیث نمبر 853

[3] صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب نھی من أکل ثوما أو بصلا أو کراثا أو نحوھا، ص:1/ 394، حدیث نمبر 562

((فإن الملائكة تتاذى مما يتاذى منه بنو آدم))[1]

ترجمہ: جس چیز سے ابن آدم اذیت محسوس کرتا ہے اس چیز سے فرشتے بھی اذیت محسوس کرتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لہسن یا پیاز کھائے ہوئے ہو تو وہ ہم سے دور رہے یا (یہ کہا کہ اسے) ہماری مسجد سے دور رہنا چاہیے یا اسے اپنے گھر میں ہی بیٹھنا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہانڈی لائی گئی جس میں کئی قسم کی ہری ترکاریاں تھیں۔ (پیاز یا گندنا بھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں بو محسوس کی اور اس کے متعلق دریافت کیا۔ اس سالن میں جتنی ترکاریاں ڈالیں گئی تھیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دی گئیں۔ وہاں ایک صحابی موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی طرف یہ سالن بڑھا دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھانا پسند نہیں فرمایا اور فرمایا کہ تم لوگ کھا لو۔ میری جن سے سرگوشی رہتی ہے تمہاری نہیں رہتی[2]۔

انہی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے علما نے ایسی تمام چیزیں استعمال کرنے سے منع کیا ہے جن کی بنا پر منہ سے بدبو خارج ہوتی ہے۔ ان چیزوں میں سگریٹ نوشی سرِ فہرست ہے[3]۔

راقم الحروف کے اپنے دور رشتے دار منشیات نوشی کی طرف مائل ہو گئے اور خاندان کے لوگوں نے ان کا نشہ چھڑوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اس دوران بہت زیادہ اخراجات بھی کیے لیکن کچھ بن نہ پڑی۔ بالآخر ان کو مذہب کی جانب مائل کیا گیا، نمازوں کی پابندی یقینی بنائی گئی تو ان کے نشہ کرنے کی عادت میں آہستہ آہستہ کمی واقع ہوتی گئی اور بالآخر انھوں نے اس جان لیوا لعنت سے چھٹکارا پا لیا۔

انسان جسم اور لباس کی صفائی انسان کے مہذب ہونے کی علامت ہے۔ بعض اوقات انسان اپنی فطری کمزوری کی بنا پر اس کا خاص خیال نہیں رکھ پاتا۔ بالخصوص ان دنوں جب اس کو ملازمت وغیرہ سے چھٹی ملی ہو تو وہ معمول کے لباس میں ہی رہتا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب نھی من أکل ثوما أو بصلا أو کراثا أو نحوھا، ص:1/ 394، حدیث نمبر 564

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی الثوم النی والبصل والکراث، ص:1/ 170، حدیث نمبر 853

[3] اس ضمن میں ملاحظہ فرمائیں عبد العلیم بن عبد الحفیظ سلفی، سگریٹ نوشی اور اس کا شرعی حکم، دار الدعوۃ، نئی دہلی، بھارت

ہے۔اس دوران صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا اہم نہیں سمجھا جاتا ہے لیکن مسجد میں جانے والا شخص اس لاپروائی سے مکمل طور پر بچ جاتا ہے۔احتلام یا مجامعت کی صورت میں حالتِ جنابت کا فوری طور پر ازالہ کرنا لازم قرار دیا گیا ہے کیونکہ نماز کے لیے مسجد میں آنا ہر مسلمان پر لازم ہے اور اس لازم فریضے کی ادائیگی کے لیے حالتِ جنابت ایک رکاوٹ کے طور پر بیان کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ ... جُنُبًا ... حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا﴾[1]

ترجمہ:اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نماز کے قریب نہ جاؤ۔۔۔ اس حال میں کہ جنبی ہو۔۔۔ یہاں تک کہ غسل کر لو۔

مسجد میں جانے والا شخص اپنے لباس اور جسم کی صفائی کا خاص خیال رکھتا ہے کیونکہ اس کا تعلق اس کے نزدیک محض دنیاداری اور معاشرت کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اس کی روحانی زندگی مکمل طور پر اسی پر مبنی ہے۔ایک مرتبہ نبی ﷺ صحابہ کرام کو نماز پڑھانے کے لیے مصلیٰ پر کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ کو یاد آیا کہ آپ ﷺ کو حدث اکبر لاحق ہے۔آپ ﷺ نے صحابہ کو ادھر ہی کھڑا کیا اور جلدی سے جا کر غسل کر کے واپس آئے اور پھر آپ ﷺ نے جماعت کروائی[2]۔

مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ نماز کے وقت ملاقات معاشرتی زندگی کی مثبت تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔اس لیے لازم ہے کہ اس ملاقات میں لباس اور جسم دونوں پاک ہوں۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے معاشرتی تربیت کے لیے نماز کے لیے طہارت کو فرض قرار دیا ہے۔

بول و براز انسان کی فطرت میں شامل ہے جس سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔انسان کی سماجی تہذیب میں یہ بات شامل ہے کہ بول و براز کے لیے آبادی سے دور یا گھروں میں مناسب انتظام ہونا چاہیے۔سرِ عام یا راہ گزر میں بول و براز کو انتہائی مکروہ تصور کیا جاتا ہے۔اس اعتبار سے بھی مسجد تربیتی کردار ادا کرتی ہے۔

---

[1] سورۃ النساء:43

[2] صحیح بخاری،کتاب الغسل، باب إذا ذکر فی المسجد أنہ جنب، یخرج کما ھو، ولا یتیمم،ص:1/63،حدیث نمبر275

نبی ﷺ کے عہد میں ایک بدو نے مسجد میں پیشاب کر دیا جس پر صحابہ کرام کو بہت غصہ آیا۔ آپ ﷺ نے ان کو منع کیا اور جب وہ پیشاب کرنے سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے پانی منگوا کر اس جگہ بہا دیا[1] پھر اس کو بلا کر سمجھایا کہ:

((إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول، ولا القذر، إنما هي لذكر الله عز وجل، والصلاة، وقراءة القرآن))[2]

ترجمہ: مساجد اللہ کی یاد، نماز اور قرآن مجید کی تلاوت کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں۔ ان میں بول و براز زیب نہیں دیتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں آپ ﷺ نے اس بدو کو سکھا دیا کہ بول و براز کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کرنا چاہیے جو روحانی امور کے لیے استعمال نہ ہوتی ہو، جہاں لوگ جمع نہ ہوں، جہاں سے لوگ گزرتے نہ ہوں۔ یہی معاشرتی زندگی میں اصلاح کی بنیاد ہے۔

مسجد اتحاد کی علامت

انسانی زندگی کو سمجھنے کے لیے لازم ہے کہ ایک اصول ہمیشہ ذہن نشیں رکھا جائے اور وہ اصول باہمی اتحاد و اتفاق کا اصول ہے۔ جس معاشرے میں یہ خوبی موجود ہو وہ معاشرتی، معاشی اور سیاسی طور پر انتہائی مستحکم ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جہاں اتحاد و یگانگت ناپید ہو یا اس میں کمزوریاں موجود ہوں اس معاشرے میں انسانی زندگی فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہونے کے بجائے ہلاکت اور بربادی کا شکار ہو جاتی ہے۔

اس لیے لازم ہے کہ معاشرے میں موجود مثبت روایات کی پیروی کی جائے اور بلاوجہ اختلاف کرتے ہوئے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تعمیر نہ کی جائے۔ مجمع میں رہا جائے کیونکہ اتحاد میں ہی تمام برکتیں موجود ہیں۔ اس نظریے کو اسلامی معاشرے میں عملی طور پر عام کرنے کے لیے اسلام نے ملت اور جماعۃ کا تصور دیا ہے، ایک امیر یا خلیفہ کی پیروی کا نظام دیا ہے، مل جل کر

[1] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب ترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم والناس الأعرابی حتی فرغ من بولہ فی المسجد، ص:1/54، حدیث نمبر: 219

[2] صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب وجوب غسل البول وغیرہ من النجاسات إذا حصلت فی المسجد، وأن الأرض تطھر بالماء، من غیر حاجۃ إلی حفرھا، ص:1/236، حدیث نمبر 285

رہنے اور جماعت اور جتھے کو مضبوط کرنے کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کی ہے اور اس کے خلاف جانے والے کو انتہائی سخت الفاظ میں مختلف قسم کی وعیدیں سناتے ہوئے بعض صورتوں میں اسلام سے خارج بھی قرار دیا ہے۔

اس باہمی اتحاد، اتفاق اور یگانگت کو یقینی بنانے کے لیے اسلام نے مسجد کو بھی تربیتی کردار سونپا ہے۔ مسجد میں نماز پڑھنے والوں کو حکم ہے کہ وہ ایک امام کی اقتدا کریں اور اگر اس کی اقتدا میں کوئی نماز کھڑی ہو جائے تو اس نماز کے دوران کوئی شخص اپنی الگ سے نماز ادا نہ کرے۔ رسول اکرم ﷺ ارشاد فرمایا:

((إذا اقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة))[1]

ترجمہ: جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض (یعنی کھڑی نماز) کے علاوہ کوئی نماز ادا نہ کی جائے۔

مذکورہ تفصیلات سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد مسلمانوں کی انفرادی، خاندانی، معاشرتی اور قومی سطح پر تربیت کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور اس کے کردار کی تاثیر سے اسلامی معاشرہ گناہوں، جرائم اور بدنظمی سے پاک ہو جاتا ہے۔

مسجد کا عدالتی کردار

لغت میں عدالتی فیصلوں کے لیے لفظ "قضا" مستعمل ہے جس کا معنی ہے "حکم"[2]۔

اصطلاح میں اس سے مراد لوگوں کے مابین تنازعات کے بارے میں شرعی تعلیمات کی روشنی میں فیصلہ کرنا ہے اور یہ مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے[3]۔

جھگڑوں کے فیصلوں کے وقت فریقین کے درمیان آوازوں کا بلند ہونا اور لغو کلام کا صادر ہونا عین ممکن ہے۔ اس لیے علماء کے درمیان مسجد میں عدالتی کارروائی کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث نمبر 710

[2] محمد بن ابو بکر بن عبد القادر الرازی، مختار الصحاح، مکتبۃ لبنان، طبع 1986ء، ص: 540

[3] یحیٰ بن شرف النووی، المجموع شرح المھذب، مکتبۃ الارشاد، جدۃ، ص: 19/ 109

جمہور کے نزدیک مسجد میں عدالتی کارروائی کی جاسکتی ہے[1]۔ امام سرخسی لکھتے ہیں:

"احب الی ان یقضی حیث تقام جماعۃ الناس یعنی فی المسجد الجامع او غیرہ من مساجد الجماعات"[2]

زیادہ پسندیدہ کام یہ ہے کہ عدالتی فیصلے اس جگہ کیے جائیں جہاں زیادہ لوگ جمع ہوتے ہیں، یعنی جامع مسجد میں، یا پھر جامع مسجد کے علاوہ دوسری مساجد میں جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں۔

مسجد میں عدالتی کارروائی کا جواز

اس ضمن میں جمہور کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا "اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی دوسرے مرد کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دیکھ لے، کیا وہ اس کو قتل کرنے کا مجاز ہے؟ اس کے بعد ان دونوں میاں بیوی نے مسجد میں لعان کیا[3]۔

لعان کا تعلق عدالتی کیس کے ساتھ ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں یہ معاملہ مسجد میں نمٹایا گیا اس لیے مسجد میں عدالتی کارروائی جائز ہے۔

2۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو کچھ قرض دیا۔ مسجد میں انھوں نے اپنے قرض کا تقاضا کیا اور بحث کے دوران دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ یہ آوازیں نبی ﷺ کے گھر تک جا پہنچیں تو آپ ﷺ اپنے گھر

---

[1] المجموع للنووی، ص:2/182

[2] شمس الدین السرخسی، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، 1989ء، 8/82

[3] صحیح بخاری، ص:9/68، کتاب الأحکام، باب من قضی ولاعن فی المسجد، حدیث نمبر 7166

سے نکلے اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آدھا قرض چھوڑ دیں۔ پھر ابن ابی حدر کو حکم دیا کہ تم اس کا باقی والا آدھا قرض ادا کر دو[1]۔

3۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت معروف ہے جس کے مطابق نبی ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ امی شخص نے آکر اقرار کیا کہ میں نے بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کا اقرار سن کر اس سے منہ پھیر لیا۔ اس نے چار مرتبہ اقبال جرم کیا تو آپ ﷺ نے اس کو اپنے پاس بلا کر اس سے سوال کیا کہ "کیا تم پاگل ہو؟[2]"

اسی طرح صحابہ کرام مسجد میں فتویٰ دینا اور فیصلہ کرنا معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ مسجد میں عموماً تعداد میں زیادہ مسلمان موجود ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے فیصلہ کرنے سے انھیں دین کے نظامِ قضا کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے جو کہ شعوری اور فکری تربیت کا اہم حصہ ہے۔

مسجد میں عدالتی کارروائی کا عدم جواز

مساجد میں عدالتی کارروائی کو امام شافعیؒ نے ناپسند کیا ہے۔ امام نوویؒ [3] نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی موقف نقل کیا ہے[4]۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب استحباب الوضع من الدین، ص:3/1192، حدیث نمبر 1558

[2] صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب من ترک مالا فلورثتہ، ص:3/1237، حدیث نمبر 1619

[3] ابو زکریا یحیٰ بن شرف النووی اکتوبر 1233ء اور 22 دسمبر 1278ء میں وفات پائے بڑے فقیہ، مصنف اور محدث گزرے ہیں۔

[4] المجموع شرح المھذب، جلد نمبر 19، صفحہ نمبر 136

((جنبوا مساجد کم صبیانکم، ومجانینکم، وشراء کم، وبیعکم، وخصوماتکم، ورفع اصواتکم، وإقامة حدود کم، وسل سیوفکم، واتخذوا علی ابوابھا المطاھر، وجمروھا فی الجمع)) [1]

ترجمہ: اپنی مساجد کو بچوں، پاگلوں، تاجروں، جھگڑوں، بلند آواز میں گفتگو، قیامِ حدود، تلواریں کھینچنے سے محفوظ رکھو اور مساجد کے دروازوں پر بیت الخلا بناؤ۔ جمعہ کے دن مساجد میں خوشبو کا اہتمام کرو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ عدالتی کارروائی کے دوران مسجد میں کافر، جنبی اور حائضہ بھی داخل ہو جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عدالتی فیصلوں کے دوران آوازیں بلند ہوں اور جھگڑا ہو جائے جو کہ مسجد کے آداب کے منافی ہے۔

مسجد میں عدالتی کیس کی سنوائی سے متعلق روایات زیادہ قوی ہیں۔ جبکہ اس کی ممانعت میں پیش کی جانے والی روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ مسجد میں عدالتی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے البتہ مسجد کے اندر کسی پر حد قائم نہیں کی جا سکتی ہے کیوں کہ خود نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا"

((لا تقام الحدود فی المساجد)) [2]

ترجمہ: مسجد میں حدود قائم نہ کی جائیں۔

مسجد میں کسی مسئلے کے بارے میں فتوی دینا اور عدالتی فیصلہ کی سنوائی تو ان روایات سے ثابت ہو رہی ہے لیکن مسجد میں حد قائم کرنا اور کسی کو جرم کی سزا دینا ثابت نہیں ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب مایکرہ فی المساجد، ص:1 / 247، حدیث نمبر 750 یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی تفصیل اسی باب کی فصل نمبر 3 میں گزر چکی ہے۔

[2] سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب النھي عن إقامة الحدود فی المساجد، ص:2 / 867، حدیث نمبر 2599

خلاصہ باب

باب اول عہد نبوی ﷺ میں مسجد کے کردار پر مشتمل ہے۔اس کو تین فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔فصل اول میں مسجد کا تعارف واہمیت قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔

مسجد کا معنیٰ ومفہوم بیان کرتے ہوئے جہاں مساجد کو آباد رکھنے والوں کے فضائل کا تذکرہ کیا گیا وہاں مساجد کی آباد کاری میں رکاوٹیں ڈالنے والوں کے مذموم عزائم ومقاصد اور قبیح افعال پر وعیدوں کے ساتھ انجام دہی کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔اس فصل میں مساجد کی آباد کاری کے ساتھ ساتھ مساجد ہی میں کیے جانے والے ممنوع افعال کی اسلامی تناظر میں مذمت بیان کی گئی ہے۔

فصل سوم میں اسلامی معاشرے میں مسجد کے تربیتی اور عدالتی کردار پر گفتگو کی گی ہے۔ اسلام میں مسجد روز اول ہی سے نہ صرف تعلیمی سرگرمیاں ہوتی تھیں بلکہ تربیتی اور تعلیمی سرگرمیاں اکٹھی سرانجام پاتی تھیں۔کیونکہ تعلیم وتربیت کا رشتہ ہمیشہ سے لازم وملزوم کا رہا ہے جن کو جدا نہیں کیا جاسکتا،اس لیے مسجد میں تربیتی ورکشاپس ہوتی رہی جن سے مسلمانوں کے کردار وعمل اور اچھے اخلاق میں بہتری اور نکھار پیدا ہوا۔

اس فصل میں مسجد کے تربیتی کردار کے علاوہ مسجد کے عدالتی کردار پر بھی بحث کی گئی ہے۔اسلامی فلاحی ریاست میں مسجد کے دیگر رہنما کرداروں کے ساتھ ساتھ مسجد کا عدالتی کردار بھی کسی طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔عہد نبوی ﷺ اور صحابہ کرام کے دور میں مساجد میں باقاعدہ عدالت لگتی تھی جہاں پر عدل وانصاف مبنی فیصلے کیے جاتے تھے جس سے معاشرے میں ظلم واستبداد کا قلع قمع ہوا اور اسلام کے سنہرے دور کا آغاز ہوا۔

باب دوم: اصلاح معاشرہ میں محکمہ اوقاف کی مساجد کا کردار

فصل اول: محکمہ اوقاف کے زیر انتظام مساجد کیلیۓ قانون سازی

فصل دوم: اسلام آباد میں اوقاف کی مساجد کا جائزہ

فصل سوم: اوقاف کی مساجد کا تعلیمی کردار

فصل اول: محکمہ اوقاف کے زیر انتظام مساجد کے لیے قانون سازی

محکمہ اوقاف پاکستانی حکومت کے تحت کام کرنے والا ایک ایسا ادارہ ہے جو مذہبی امور سے متعلق مخصوص معاملات کے ضمن میں کام کرتا ہے۔ 31 اگست 1976ء کو یہ محکمہ قانونی طور پر بعض کاموں کے لیے خود مختار بنا دیا گیا تھا اور اس کے لیے باقاعدہ قانون سازی کی گئی تھی۔ اس وقت بنائے گئے قانون کو "اوقاف ایکٹ 1976ء" کا نام دیا گیا تھا۔ اس کو LIV ایکٹ نمبر 1976ء بھی کہا جاتا ہے، حکومت پاکستان کی طرف سے یہ قانون 31 اگست 1976ء کے اعلامیہ میں شائع کیا گیا تھا۔

ایکٹ میں واضح کیا گیا تھا کہ اس وفاقی ایکٹ کا مقصد محکمہ اوقاف کو مناسب انتظام اور کنٹرول مہیا کرنا ہے۔ وہ تمام امور و معاملات جو محکمہ اوقاف کو درپیش ہیں یا آئندہ حادثاتی طور پر درپیش ہو سکتے ہیں، انکے متعلق اوقاف کو مناسب انتظام و انصرام کی فراہمی یقینی بنائی جائے گی۔ ایکٹ مندرجہ ذیل حصوں پر مشتمل ہے۔

ایکٹ کا نام اوقاف ایکٹ (وفاقی کنٹرول) 1976ء رکھا گیا ہے۔

یہ ایکٹ پورے پاکستان میں موجود اوقاف سے متعلقہ اداروں پر نافذ کیا جائے گا۔

یہ ایکٹ اس وقت عملی طور پر حرکت میں آئے گا جب وفاقی حکومت سرکاری طور پر اپنے اعلامیہ میں تقرر کر دے گی۔

ایکٹ میں جن مقامات پر لفظ "ایڈمنسٹریٹر" لکھا جائے گا وہاں اس سے مراد محکمہ اوقاف کا منتظم ہو گا اور اس کا تقرر جز چہارم کے تحت ہو گا۔

ایکٹ کی جن عبارات میں "ایڈمنسٹریٹر جنرل" کا لفظ استعمال ہو اس سے مراد سیکشن 3 کے تحت مقرر کیا جانے والا محکمہ اوقاف کا منتظم ہو گا۔

"محکمہ اوقاف کا چیف ایڈمنسٹریٹر" وہ شخص ہو گا جس کو سیکشن 4 کے تحت منتخب کیا جائے گا۔

محکمہ اوقاف کے جنرل ایڈمنسٹریٹر کے تعین کے لیے حکومت سرکاری اعلامیہ جاری کرے گی۔

جو شخص محکمہ اوقاف کا ایڈمنسٹریٹر بنے گا اس کے لیے لازم ہے کہ وہ مسلمان ہو اور تحریری ضابطے کے مطابق اس کے پاس مخصوص تعلیم کا ہونا بھی لازم ہے۔

ایڈمنسٹریٹر کے پاس یہ منصب دائمی اور متواتر ہو گا۔ اس کے پاس سرکاری دفتر کی مہر ہو گی اور اس کے پاس اپنے سند یافتہ نام پر دعویٰ دائر کرنے کا حق ہو گا۔ اسی طرح اس کے سند یافتہ نام کے ساتھ اس پر دعویٰ کیا جا سکے گا۔

ایڈمنسٹریٹر کے اختیارات محدود ہوں گے اور وہ ایکٹ کے مطابق حکومت کے ماتحت رہ کر کام کرے گا۔

ایکٹ کی اصطلاحات کی توضیح

اس ایکٹ میں "گورنمنٹ" سے مراد وفاقی حکومت ہو گی۔

"تحریری ضابطہ یا دستور العمل" سے مراد وہ قانون ہو گا جو اس ایکٹ کے قوانین کے تحت لکھا گیا ہو گا۔

محکمہ اوقاف کو کسی فرد کی طرف سے کسی مذہبی، نیک یا خیراتی کے لیے جو زمین اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وقف کی جائے گی اس کو "وقف کی جائیداد یا زمین" قرار دیا جائے گا۔ ایسی زمین کے لیے لازم ہے کہ وہ پہلے سے کسی اور ادارے محکمے کے لیے وقف نہ کی گئی ہو۔ نیز زمین کی وقفی قانونی طور پر کی گئی ہو تا کہ متعلقہ فرد کے بعد اس کی اولاد یا اس کے خاندان میں سے کوئی شخص اس کی ملکیت کا دعوے دار نہ ہو سکے [1]۔

ایسی زمین جو بھارت میں رہ جانے والی زمین کے تبادلے کے طور پر محکمے کو دی گئی ہو گی وہ بھی وقف کی زمین سمجھی جائے گی۔

محکمہ اوقاف کے زیر انتظام چلنے والے مزاروں کے ڈبوں سے ملنے والی آمدنی، معاہدے، عطیات اور چندے کے علاوہ اجناس کی اقسام یا روز مرہ استعمال کی وہ اشیاء جو مزار یا اس کی عمارت میں رہائش پذیر کسی شخص کے حوالے کی گئی ہوں، ان کو بھی وقف سمجھا جائے گا۔

ایسی زمینیں جو مساجد، تکیہ، درگاہوں، خانقاہوں یا مزاروں کے لیے وقف کر دی گئی ہو، کو بھی وقف ہی سمجھا جائے گا۔

محکمہ اوقاف غربا اور یتیموں کے لیے وقف کے عطیات کی مدد سے روز مرہ مالی معاملات میں رعایتیں، علاج معالجے اور تعلیم میں رعایتیں، مزاروں کی دیکھ بھال، مذہبی امور کی انجام دہی اور عوامی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرے گا۔

---

[1] ایکٹ میں وضاحت کی گئی ہے کہ اگر کوئی زمین پہلے سے اسلام کے مشروع مذہبی، نیک یا خیراتی مقاصد کے لیے استعمال ہو رہی ہو، اس صورت میں قانونی طور پر اس کا دستاویزی وقف ثابت نہ ہونے کے باوجود اس کو وقف کی زمین ہی سمجھا جائے گا۔

پاکستان میں مسجد کی اہمیت

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے جس کی اساس اسلامی افکار پر رکھی گئی ہے۔یہی وجہ ہے پاکستان کی ثقافتی علامات میں مسجد کو سرِ فہرست رکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً جنوبی ایشیاء میں مسلمانوں کے شاندار ماضی کی یاد کے طور پر بادشاہی مسجد کو پیش کیا جا سکتا ہے۔اس کی تعمیر مغل بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر نے سترہویں صدی میں کی تھی۔اسی طرح اسلام آباد میں واقع فیصل مسجد کو اس کے جدید ترین خدوخال کے حوالے سے روشن مستقبل کی علامت کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔اس کی تعمیر 1986ء میں مکمل ہوئی اور اس کو اسلامی ثقافت کے ایک روشن منظر کے طور پر پاکستان میں تعمیر کیا گیا تھا۔

مساجد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے مغربی دنیا میں متعدد محققین نے اسلامی معاشرے میں مسجد کے اخلاقی اور تربیتی کردار کو موضوعِ تحقیق بنایا ہے۔ مغربی دنیا میں اسلامی ممالک کے حوالے سے مسجد کے سیاسی کردار کو خصوصی توجہ دی گئی ہے[1]۔ مغربی ممالک میں غیر مسلموں کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ ہے اس لیے مسلمانوں کے مذہبی مراکز ہی ان کی سیاسی و سماجی سرگرمیوں کا مرکز ہیں۔اس لیے مسلمانوں کے مذہبی، سماجی و سیاسی رجحانات کو سمجھنے کے لیے مساجد کو تحقیقی سروے کا حصہ بنانا ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔

مسجد ایک ایسا مقام ہے جس کے توسط سے معاشرتی تعلقات منضبط رہتے ہیں۔یہ سماجی تعلقات مذہب کی بنیاد پر مضبوط ہوتے ہیں اور بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق نئے اسالیب میں ڈھل جاتے ہیں۔چنانچہ جب معلوم ہو جائے کہ مسجد صرف عبادت کا مرکز ہی نہیں بلکہ ایک فلاحی مرکز بھی ہے جس میں مسلمانوں کی ثقافت، عدالت، تعلیم اور رفاہِ عامہ سے متعلق تمام امور سرانجام دیے جاسکتے ہیں تو لامحالہ اس کے انتظام وانصرام کے حوالے سے حکومت کا کردار بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔

پاکستانی معاشرے میں عموماً مساجد کی تعمیر عوام اپنی مدد آپ کے تحت کرتے ہیں۔ان مساجد کے علاوہ کچھ مساجد حکومت پاکستان کے زیر اہتمام بھی تعمیر کی جاتی ہیں اور ان کی دیکھ بھال کا کام محکمہ اوقاف کے ذمہ ہوتا ہے۔

---

[1] ان تحقیقی رپورٹوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے:
Muhammad Aurang Zeb Mughal, An anthropological perspective on the mosque in Pakistan, Journal of Asian Anthropology (2015), 14, (2). pp. 166-181.

پاکستان میں تمام مکتبہ ہائے فکر کے پیروکار بس رہے ہیں۔اس لیے حکومت کے لیے مساجد کے انتظام و انصرام میں دقیق مسائل اس وقت امڈ کر سامنے آتے ہیں جب کسی علاقے میں مسجد کی تعمیر کے وقت وہاں موجود مختلف مسالک کے لوگوں کے درمیان مسجد کو کسی مخصوص فرقے کے ساتھ وابستہ کرنے کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے۔

مساجد اوقاف اور عام مساجد میں فرق

محکمہ اوقاف اور دیگر مساجد کا سروے کرنے کے بعد یہ بعد مشاہدے میں آئی ہے کہ مساجد اوقاف اور عام مساجد میں درجہ ذیل فروق پائے جاتے ہیں۔

1 ۔اوقاف کی مساجد حکومت کی سرپرستی میں کام کرتی ہیں جبکہ عام مساجد عوام اور فلاحی اداروں کی سرپرستی میں کام کرتی ہیں۔

2۔اوقاف کی مساجد کے ائمہ وخطباء اور دیگر عملہ سرکاری خزانے سے تنخواہ وصول کرتے ہیں جبکہ دیگر مساجد عوامی تعاون اور فلاحی اداروں کی مدد سے اپنی خدمات سرانجام دیتی ہیں۔

3۔اوقاف کی مساجد کے کچھ اخراجات محکمہ اوقاف پورے کرتا ہے جبکہ عام مساجد کے اخراجات عوامی چندے سے پورے کیے جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا فروق کے علاوہ اوقاف اور دیگر مساجد میں کوئی خاص فرق نہیں پایا جاتا۔ تاہم اوقاف کی مساجد حکومتی سرپرستی میں ہونے کی وجہ سے معاشرے میں زیادہ مؤثر انداز میں کام کر سکتی ہیں۔

مسجد کمیٹی کا انتخاب، محکمہ اوقاف کے مطابق

اس وقت مسلمانوں کے مابین نزاع اور اختلاف کو روکنے اور ان کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم کرنے کے لیے یہ ضروری قرار پاتا ہے کہ انتظامی فیصلوں کے لیے ایسے گروہ کو منتخب کیا جائے تو اس حساس معاملے کی نوعیت کو پوری طرح سمجھ سکتا ہو۔اس لیے دارلحکومت اسلام آباد کی انتظامیہ نے 18 اکتوبر 1986ء کو ایک اعلامیہ پیش کیا جس کے مطابق یہ قرار پایا کہ

محکمہ اوقاف کی مساجد کی کمیٹی کے لیے افراد کا انتخاب کرتے وقت ان کے مسلکی رجحانات اور فرقہ ورانہ جان داری کی بجائے ان کی خدا خوفی کو مد نظر رکھا جائے:

"فرقوں کے درمیان امن، ہم آہنگی اور مساجد کے اچھے انتظام کے لیے یہ مناسب ہے کہ ایک ایسی مسجد کمیٹی کا انتخاب کیا جائے جو کہ متقی، اللہ سے ڈرنے والے مسلمانوں پر مشتمل ہو"۔

کمیٹی کے ارکان کے عہدے مستقل نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ اس سے مساجد پر مخصوص لوگوں کی اجارہ داری کے قائم ہونے کا خدشہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ اعلامیہ میں واضح کیا گیا کہ اگر کمیٹی کے ارکان کی جانب سے مساجد کے انتظام وانصرام میں مسلسل ناقص کارکردگی کا مظاہرہ کیا جارہا ہو تو اس صورت میں کمیٹی کی کارکردگی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کے افراد میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ اگر کمیٹی مجموعی طور پر اپنے فرائض منصبی ادا کرنے سے قاصر کو تو اس کمیٹی کو کلی طور پر ختم کر کے نئی کمیٹی بنانے کا راستہ بھی کھلا رکھا جاسکتا ہے۔ اعلامیہ کے مطابق:

"یہ بھی ضروری ہے کہ انتخاب، فرائض منصبی اور ان کمیٹیوں کو تحلیل کرنے کے کچھ اصول مقرر کیے جائیں (ایضا)"۔

ان اصولوں کی بنیاد پر محکمہ اوقاف نے 1986ء میں یہ طے کیا کہ مساجد سے متعلق ایک مخصوص قانون تشکیل دیا جائے جو سابقہ قوانین کو منسوخ کر دے گا۔ اس تنسیخی قانون کو "منسوخی قوانین 1986" کا نام دیا جائے گا۔

جب تلک کوئی نیا متفقہ قانون نہیں بن جاتا تب تلک اسی قانون کو پورے اسلام آباد میں موجود محکمہ اوقاف کی مساجد میں لاگو کیا جائے گا۔

انتخاب اراکین کا قانونی طریقہ کار

چنانچہ تمام پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے یہ قانون ترتیب دیا گیا کہ:

- مسجد کمیٹی کا انتخاب 1981ء کے صدارتی ڈائریکٹو نمبر 883 کے پہلے پیراگراف کے مطابق ہر مسجد میں کیا جائے گا خواہ وہ مسجد انتظامیہ کی ہو یا نہ ہو۔

- کمیٹی میں چیئرمین، سیکرٹری، خزانچی، خطیب، رفیق کار، کارکن شامل ہوں گے۔انتخابی عمل کے دوران صرف چیئرمین، سیکرٹری اور خزانچی کو منتخب کیا جائے گا۔
- صرف ان لوگوں کو مساجد کی کمیٹی کا حصہ بنایا جائے گا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے، پرہیز گار اور نماز پنجگانہ کے پابند ہوں۔
- ان کے لیے مسجد سے ملحقہ علاقے کا رہائشی ہونا بھی ضروری ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ ان میں ایسی انتظامی صلاحتیں موجود ہوں جن کی بنا پر وہ مسجد کمیٹی کی رکنیت کے اہل قرار پاسکتے ہیں۔
- محکمہ اوقاف کمیٹی کے ارکان کے انتخاب کے بعد ان کا باقاعدہ اعلان کرے گا اور یہ انتخاب عصر و مغرب کے درمیان ہو گا۔
- محکمہ اوقاف کے مساجد سے متعلقہ شعبے سے کم از کم ایک فرد کی نمائندگی ضروری ہو گی۔
- کمیٹی کے ہر ایک عہدے کے لیے کم از کم دو افراد میں سے ایک شخص تجویز دینے والا اور ایک شخص اس تجویز کی تائید کرنے والا ہو گا۔
- کمیٹی کے ارکان کے انتخاب کے دوران مسجد میں موجود نمازی حضرات کی رائے بھی لی جائے گی اور وہ ہاتھ اٹھا کر اپنے ترجیح کا اعلان کریں گے۔
- کسی بھی رکن کی تقرری کے وقت عام لوگوں کی آراء کا بھرپور احترام کیا جائے گا اور عام لوگوں کی اکثریت جس شخص کے حق میں ہو گی اسی کا تقرر کیا جائے گا۔
- کسی بھی طرح کا تنازعہ کھڑا ہو جائے اور اس کا فیصلہ کرنا پیچیدہ ہو جائے تو خطیب اس مسئلہ کے حل کے لیے اپنا ووٹ ڈالے گا۔
- انتخاب سے متعلق اگر کوئی جھگڑا طول پکڑ جائے تو پھر معاملہ ڈپٹی ڈائریکٹر کے حوالے کیا جائے گا اور پھر ڈپٹی ڈائریکٹر جو فیصلہ کرے گا وہی حتمی قرار پائے گا۔
- کسی بھی انتخاب کے بعد تین دن تک کوئی متعلقہ فرد انتخاب میں تبدیلی کے لیے درخواست دائر کر سکتا ہے۔اگر تین دن کے اندر اندر کوئی درخواست موصول نہ ہو تو انتخاب کو درست سمجھ لیا جائے گا۔

- اگر ڈپٹی ڈائریکٹر کے انتخاب سے متعلق کوئی فرد متفق نہ ہو اور وہ اس پر نظر ثانی کروانے کا متمنی ہو تو وہ ڈائریکٹر اوقاف کی خدمت میں ایک پیٹیشن دائر کر سکتا ہے۔ ڈائریکٹر اوقاف اس کیس کو ملاحظہ کر کے فیصلہ کرے گا اور اس کے فیصلہ کو حتمی سمجھا جائے گا۔

کمیٹی کے ارکان کی ذمہ داریاں

مسجد انتظامیہ کمیٹی کے ارکان کی مندرجہ یل ذمہ داریاں تجویز کی گئیں:

- مسجد کے روزمرہ مسائل کو حل کرنا۔
- عطیات دینے والے افراد کا اندراج کرنا۔
- حکومت کی طرف سے ملنے والی گرانٹ کا حساب رکھنا۔
- مسجد میں آمدنی اور خرچ کا مکمل ریکارڈ رکھنا۔
- مسجد کے فنڈز کی دیکھ بھال کرنا۔
- مسجد کی تعمیر و ترقی کے حوالے سے ہر ممکن اقدام کرنا۔
- نمازیوں کے درمیان اتفاق اور اتحاد کی فضا قائم رکھنا۔
- نمازیوں کے درمیان فرقہ وارانہ اختلافات کی حوصلہ شکنی کرنا۔
- مسجد کو فرقہ وارانہ پروپیگنڈا اور عقائد و نظریات کے اختلافات کے ضمن میں مسجد کے استعمال کو روکنا۔
- محکمہ اوقاف کی جانب سے مسجد کے سپرد ہونے والے دیگر امور کی انجام دہی کو یقینی بنانا۔

حدود و قیود

- کمیٹی کے ارکان حلف لینے کے دو یا تین سال تک دفتر میں رہیں گے۔
- اگر کمیٹی کا کوئی کارکن اپنے عہدے سے استعفیٰ دینے کا متمنی ہو تو وہ محکمہ اوقاف کے ڈپٹی ڈائریکٹر یا محکمہ اوقاف کے چیئرمین کے نام استعفیٰ کی درخواست لکھ کر اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔
- اگر چیئرمین خود استعفیٰ دینے کا متمنی ہو تو استعفیٰ دینے کے بعد دو ہفتے تک وہ عہدے پر رہے گا اور اپنی جگہ نئے فرد کے لیے تازہ انتخاب کرائے گا۔

- مسجد کی کمیٹی کا رابطہ چیئرمین کے ساتھ ہو گا اور وہ چیئرمین کو ہی ترقیاتی کاموں کے بارے میں خبردار رکھے گی۔

تنسیخ

- کمیٹی کے ہر شخص کے لیے نمازیوں کو اعتماد میں لینا لازم ہے۔ اگر نمازیوں کی اکثریت محکمہ اوقاف کے نمائندوں کی موجودگی میں کسی بھی رکنِ کمیٹی کے بارے میں عدم اعتماد کا اظہار کر دے تو اس شخص کو کمیٹی سے خارج کر کے اس کی رکنیت کو منسوخ کر دیا جائے گا۔
- کسی بھی کمیٹی کی وجہ سے اگر فرقہ وارانہ اختلافات کو ہوا مل رہی ہو تو اوقاف ڈائریکٹوریٹ کے پاس کمیٹی کو تحلیل کر دینے کا اختیار موجود ہو گا۔
- اوقاف ڈائریکٹوریٹ بغیر کوئی وجہ بتائے بھی مسجد کمیٹی کو تحلیل کرنے کا مختار ہو گا۔
- اوقاف ڈائریکٹوریٹ کے فیصلے کے خلاف اگر کسی کو شکایت ہو تو وہ فیصلے کے بعد سات دن تک اسلام آباد دارالحکومتی علاقے کے ایڈمنسٹریٹر کے دفتر میں درخواست دینے کا اہل ہو گا۔

متفرق قوانین

مسجد کا خطیب بھی کمیٹی کا حصہ ہو گا اور وہ کمیٹی کے کاموں میں عملی طور پر شرکت کرے گا۔

کسی مسئلہ میں مسجد کے خطیب اور مسجد کی انتظامی کمیٹی کے مابین اگر کوئی اختلاف یا تنازع کھڑا ہو جائے تو اس اختلاف کو حل کرنے کے لیے معاملے کو ڈپٹی ڈائریکٹر کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

مسجد کی حدود میں خطابت یا درس کا اختیار تصرف محکمہ کی جانب سے مقرر کردہ خطیب کے پاس ہو گا۔ اگر کوئی دوسرا شخص مسجد میں خطاب کرنے کا متمنی ہو تو اس خطاب کی اجازت کا اختیار کمیٹی کے پاس نہیں ہو گا۔ اگر کمیٹی یہ اجازت دینا چاہے تو پہلے اس کو اوقاف ڈائریکٹوریٹ سے اس کی تحریری اجازت لینا ہو گی۔

اوقاف ڈائریکٹوریٹ کی ذمہ داری ہے کہ وہ کمیٹی کے فرائض میں شامل اہم اور ضروری ہدایات وقتاً فوقتاً جاری کرے۔

جو کمیٹیاں پہلے سے بن چکی ہیں وہ بھی اسی قانون کے تحت کام کریں گی اور یہی تصور کیا جائے گا کہ ان کی تشکیل ان قوانین کے تحت کی گئی ہے۔ البتہ ان کمیٹیوں کے انتخاب کو مرتب کر کے اوقاف ڈائریکٹوریٹ سے دستخط لیے جائیں گے [1]۔

---

[1] ان معلومات کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیے: (پاکستان کا اعلامیہ: No: 1 (79) Law-86)

فصل دوم: اسلام آباد میں اوقاف کی مساجد کا جائزہ

محکمہ اوقاف کی مساجد کا عمومی مسئلہ

اسلام آباد میں محکمہ اوقاف کی مساجد کو مختلف زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بعض مساجد کو کیٹیگری A جب کہ بعض مساجد کو کیٹیگری B میں شمار کیا جاتا ہے۔ کچھ مساجد کو کیٹیگری C میں رکھا گیا ہے۔ ان مساجد کو ان کے زمروں کے اعتبار سے حکومت کی جانب سے معاونت ملتی ہے۔ 2019ء میں اے کیٹیگری کی مساجد کو ماہانہ 6500 روپیہ بجلی کے بل اور ماہانی 4000 روپیہ سوئی گیس کے بل کے طور پر مہیا کرنے کی ہامی بھری گئی تھی۔ اسی طرح بی کیٹیگری کی مساجد کو ماہانہ 7000 روپیہ بجلی کے بل کی مد میں جب کہ ماہانہ 4500 روپیہ گیس کے بل کی مد میں مہیا کرنے کا وعدی کیا گیا تھا۔ اسی طرح کیٹیگری سی کی مساجد کو 8000 روپیہ بجلی کے بل لیے اور 5000 روپیہ گیس کے بل کے لیے ادا کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کے ساتھ عندیہ دیا گیا تھا کہ:

> "فنڈز کی پوزیشن کو دیکھتے ہوئے آگاہ کیا جاتا ہے کہ محکمہ اوقاف آپ کی مساجد کے بل درجہ بالا حساب سے جو تحریر ہے، ادا کرے گا۔ اس سے زائد بل مساجد کمیٹیاں اپنے اپنے مساجد فنڈز سے ادا کریں گی۔ لہٰذا آپ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنی اپنی مساجد میں ان ہر دو اشیاء کے استعمال پر گہری نظر رکھیں اور بجلی و گیس ضیاع کو روکیں تا کہ بل آپ کی سیلنگ کے اندر ہی آئیں اور بجلی / گیس کے منقطع ہونے کی دشواری سے بھی بچا جا سکے۔ اس کے علاوہ مساجد سے ملحق مدارس اور خطیب و مؤذن کی رہائش گاہ پر مسجد کے میٹر سے بجلی اور گیس استعمال نہ کی جائے۔ اس کے لیے علیحدہ میٹر لگائے جائیں تا کہ بجلی اور گیس کی مسلسل فراوانی کو ممکن بنایا جا سکے[1]"۔

[1] اوقاف ڈائریکٹوریٹ، اسلام آباد، حوالہ نمبر 2010/Auq-Dte (6) 2، مورخہ 18 دسمبر 20 مسجد فاروقیہ A19

سروے میں شامل مساجد

اس ایک چٹھی سے محکمہ اوقاف کی مساجد کے لیے مہیا کیے جانے والے فنڈز کے کمی کا پتہ چلتا ہے۔چونکہ مساجد اور مساجد کے ائمہ کے مسائل کا کلی جائزہ لینا مقصود تھا اس لیے محض ایک چٹھی سے حاصل ہونے والی معلومات پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ محقق نے مسائل کا بھرپور جائزہ لینے کے لیے اسلام آباد میں موجود محکمہ اوقاف کی مساجد کا ایک سروے کیا تاکہ مسئلہ کو گہرائی میں جاکر دیکھا جاسکے اور اس کی نوعیت کی شدت کو آشکار کیا جاسکے۔اس ضمن میں جن مساجد کا دورہ کیا گیا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

نمبر شمار	سیکٹر	مسجد کا نام	کیٹیگری	مسلک /مکتبِ فکر
1.	ایف۔7	مسجد الفرقان	A	دیوبندی
2.	ایف۔5	مسجد نورانی	A	دیوبندی
3.	ایف۔5	گورنمنٹ ہاسٹل	A	بریلوی
4.	ایف۔5	فیڈرل لاج	A	بریلوی
5.	ایف6/1	مسجد فاروقیہ	B	دیوبندی
6.	ایف۔6/1	مسجد غوثیہ	A	بریلوی
7.	ایف۔6/2	مسجد الخضر	A	بریلوی
8.	ایف۔6/2	مسجد الفردوس	A	بریلوی
9.	ایف۔6/3	مدنی مسجد	A	دیوبندی
10.	ایف۔6/4	مکی مسجد	A	دیوبندی

11.	ایف۔4/6	مسجد امدادیہ	A	دیوبندی
12.	ایف۔7۔مرکز	مسجد باب الاسلام	C	دیوبندی
13.	ایف۔1/7	مسجد صہیب رومی	B	دیوبندی
14.	ایف۔3/7	مسجد فاروقِ اعظم	A	دیوبندی
15.	ایف۔3/7	مسجد الکوثر	C	دیوبندی
16.	ایف۔8مرکز	مسجد اشرفیہ	C	دیوبندی
17.	ایف۔1/8	مسجد رحمانیہ	A	دیوبندی
18.	ایف۔2/8	مسجد مجددیہ	B	دیوبندی
19.	ایف۔3/8	مسجد خالد بن ولید	A	دیوبندی
20.	ایف3/10	مسجد الہدیٰ	A	بریلوی
21.	جی۔1-1/6	مسجد مبین	A	دیوبندی
22.	جی۔2-1/6	مسجد اولیٰ	A	دیوبندی
23.	جی۔3-1/6	مرکزی لال مسجد	C	دیوبندی
24.	جی۔3-1/6	مسجد اہلِ حدیث	C	اہلِ حدیث
25.	جی۔4-1/6	مسجد مدینہ	A	بریلوی

.26	جی۔6/1-4	مسجد رحمانیہ	A	دیوبندی
.27	جی۔6/1-4	مسجد السوداہ	B	دیوبندی
.28	جی۔6/2	مسجد دارالسلام	B	دیوبندی
.29	جی۔6/2	مسجد خضراہ	A	دیوبندی
.30	جی۔6/2	مسجد اثنا عشری	B	شیعہ
.31	جی۔6/2	مسجد الکوثر، پولی کلینک	A	دیوبندی
.32	جی۔6/2	مسجد ابراہیم	A	دیوبندی
.33	جی۔6/2	مسجد طور	A	دیوبندی
.34	جی۔6/3	مسجد بلال	C	دیوبندی
.35	جی۔6/4	مسجد تقویٰ	A	دیوبندی
.36	جی۔6/4	مسجد قطب شہید	A	بریلوی
.37	جی۔7، مرکز	مسجد الرضا	C	بریلوی
.38	جی7/1	مسجد النور	B	بریلوی
.39	جی7/1	مسجد المرتضیٰ	A	بریلوی
.40	جی7/1	مسجد سعد بن ابی وقاص	A	دیوبندی

41.	جی7/1	مسجد فائر بریگیڈ	A	بریلوی
42.	جی7/1	مسجد حنفیہ	A	دیوبندی
43.	جی7/1	مسجد صدیقیہ	A	بریلوی
44.	جی7/2	مسجد الحرا	B	بریلوی
45.	جی7/2	مسجد اللہ والی	A	بریلوی
46.	جی7/2	مسجد عثمانیہ	A	دیوبندی
47.	جی۔7/3-1	مسجد نور قدیمی	A	دیوبندی
48.	جی۔7/3-2	مسجد الفلاح	A	دیوبندی
49.	جی۔7/3-2	مسجد طیبہ	A	دیوبندی
50.	جی۔7/3-2	مسجد الحبیب	A	بریلوی
51.	جی۔7/3-4	مسجد قادریہ	A	بریلوی
52.	جی۔7/4	مسجد امیر معاویہ	A	دیوبندی
53.	جی۔7/4	مسجد المصطفیٰ	B	بریلوی
54.	جی۔7/4	مسجد المبین	A	بریلوی
55.	جی۔7/4	مسجد المجتبیٰ	A	بریلوی

56.	جی۔8-مرکز	مسجد الرشید	C	دیوبندی
57.	جی/1-8	مسجد جیلانیہ	A	بریلوی
58.	جی۔8-مرکز	مسجد الحلال	A	بریلوی
59.	جی/2-8	مسجد عشرہ مبشرہ	A	دیوبندی
60.	جی/4-8	مسجد الفاتح	A	دیوبندی
61.	جی/4-8	مسجد الصدیق	A	بریلوی
62.	جی۔9-مرکز	مسجد ذوالنورین	C	بریلوی
63.	جی۔1/9	مسجد المجاہد	A	بریلوی
64.	جی۔1/9	مسجد حنفیہ	A	بریلوی
65.	جی۔1/9	مسجد تقویۃ الایمان	A	دیوبندی
66.	جی۔2/9	مسجد حیدر رضوی	A	بریلوی
67.	جی۔2/9	مسجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ	A	بریلوی
68.	جی۔2/9	مسجد خلفاءِ راشدین	A	دیوبندی
69.	جی۔2/9	مسجد محمدی ﷺ	A	بریلوی
70.	جی۔2/9	مسجد امام الصادق	A	شیعہ

71.	جی۔3/9	مسجد بغدادی	B	بریلوی
72.	جی۔3/9	مسجد علیمیہ	A	بریلوی
73.	جی۔3/9	مسجد شمس العارفین	A	بریلوی
74.	جی۔3/9	مسجد فاروقِ اعظم	A	دیوبندی
75.	جی۔4/9	مسجد سیدنا حسن	A	بریلوی
76.	جی۔4/9	مسجد قبا	A	دیوبندی
77.	جی۔4/9	مسجد تقویٰ	A	دیوبندی
78.	ایچ۔8	قبرستان والی مسجد	A	بریلوی
79.	ایچ۔1/8	مسجد گلشنِ مصطفیٰ	A	بریلوی
80.	آئی۔1/8	مسجد الرحیم	A	دیوبندی
81.	آئی۔9	مسجد طلحہ	B	دیوبندی
82.	آئی۔9	مسجد غوثیہ	B	بریلوی
83.	آئی۔1/10	مسجد زہرا	A	بریلوی
84.	این آ۔آئی۔ایچ	مسجد غوثیہ	A	بریلوی
85.	سیدپور ویلیج	مسجد غوثیہ	A	بریلوی

86.	ڈھوک نور خان	مدنی مسجد	A	دیوبندی
87.	نور پور شاہان	مسجد حنفیہ		بریلوی
88.	نور پور شاہان	مسجد شیعہ		بریلوی
89.	بالمقابل آپ پارہ	مسجد فقراء		بریلوی

اس اعتبار سے C کیٹیگری کی مساجد کی تعداد 9، B کیٹیگری کی مساجد کی تعداد 12 اور A کیٹیگری کی مساجد کی تعداد 65 ہوئی جب کہ تین مساجد کا زمرہ تاحال طے نہیں کیا جا سکا ہے۔ کل مساجد کی تعداد 89 بنتی ہے۔ ان میں دیوبندی مساجد 44، بریلوی مساجد 40۔ اہل حدیث مساجد 2 جب کہ شیعہ مساجد کی تعداد 3 ہے۔

سروے سے حاصل ہونے والی معلومات

محکمہ اوقاف اسلام آباد کے مسائل کا جائزہ لینے کے لیے اسلام آباد میں موجود محکمہ اوقاف کی مساجد کا ایک سروے کیا تاکہ مسئلہ کو گہرائی میں جا کر دیکھ سکے اس حوالے مساجد کے ذمہ داران سے ایک سوال نامے کے ذریعے مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سوال نامے کو مقالے کے آخر میں شامل کیا گیا ہے جبکہ سروے سے حاصل ہونے والی معلومات کو ذیل میں درج کیا گیا ہے۔

1. کیا مسجد میں غریب طلبا کے لیے اسکول کی تعلیم کا انتظام ہے؟

اس کے جواب سے معلوم ہوا کہ 19 مساجد میں اس کا انتظام ہے جبکہ 70 مساجد میں اس کا انتظام نہیں ہے۔

2. کیا مسجد میں باقاعدہ درسِ قرآن دیا جاتا ہے؟

منتخب مساجد میں سے 75 میں روزانہ درسِ قرآن کا اہتما ہوتا ہے جب کہ 14 مساجد میں باقاعدہ درسِ قرآن کا کوئی اہتمام نہیں ہے۔

3. کیا مسجد میں باقاعدہ ترجمہ کلاس کا انعقاد کیا جاتا ہے؟

اس سوال کے جوابات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ 70 مساجد میں ترجمہ کلاس کے اہتمام سے متعلق اثبات میں جواب ملا جب کہ 19 مساجد میں ان کلاسوں کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا ہے۔

4 . مسجد میں بچوں کو ناظرہ پڑھایا جاتا ہے؟

16 مساجد میں بچوں کو ناظرہ پڑھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے البتہ 73 مساجد میں بچوں کو ناظرہ پڑھانے کے لیے باقاعدہ کلاسوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

5. کیا مسجد میں بچے قرآن مجید حفظ کرتے ہیں؟

55 مساجد میں بچوں کو قرآن مجید حفظ کروایا جاتا ہے۔ 24 مساجد میں حفظ القرآن کا کوئی اہتمام نہیں ہے جب کہ 10 مساجد میں جزوی طور پر بچوں کو قرآن مجید کی مخصوص سورتیں زبانی یاد کرائی جاتی ہیں۔

6. کیا مسجد میں بیرونی طلبا کے لیے رہائش اور کھانے کا انتظام ہے؟

53 مساجد میں بیرونی طلبہ کے لیے رہائش اور کھانے کا انتظام موجود ہے جب کہ 36 مساجد میں بیرونی طلبہ کا قیام وطعام نہیں ہے۔

7. کیا مسجد میں درسِ نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے؟

21 مساجد میں درسِ نظامی کی غیر رسمی اور جزوی تعلیم دی جاتی ہے جب کہ 68 مساجد میں درسِ نظامی کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہے۔

8. کیا مسجد میں مختصر دورانیے کے دینی کورس کروائے جاتے ہیں؟

18 مساجد میں چھوٹے چھوٹے دینی کورس کروانے کا انتظام کیا گیا ہے جب کہ 71 مساجد میں ایسے کسی بھی کورس کا اہتمام نہیں ہے۔

9. معاشرے میں منعقد ہونے والے سیاسی یا رسمی پروگراموں میں مسجد کی نمائندگی ہوتی ہے؟

10 مساجد کے ائمہ نے اس کا جواب ہاں میں دیا جب کہ 70 مساجد کے ائمہ نے اس سوال کا جواب نفی میں دیا تھا۔ 9 مساجد کی انتظامیہ کی جانب سے جواب ملا کہ بعض اوقات مساجد کے مامور افراد کو ان پروگراموں میں نمائندگی کا موقع ملتا ہے لیکن یہ ہمیشہ نہیں ہوتا ہے۔

10. کیا مسجد میں رمضان المبارک میں دورہ ترجمہ قرآن کا اہتمام ہوتا ہے؟

محکمہ اوقاف کی 11 مساجد میں دورہ ترجمہ قرآن کا اہتمام موجود ہے جب کہ 78 مساجد میں قرآن مجید کے ترجمہ کے ایسے کسی بھی دورہ کا تاحال اہتمام نہیں کیا جاسکا ہے۔

11. کیا مسجد میں کسی قسم کی فنی تعلیم دی جاتی ہے؟

4 مساجد میں مخصوص فنی تعلیم کی فراہمی کا اہتمام کیا گیا ہے جب کہ 85 مساجد میں ایسی تعلیم کا انتظام موجود نہیں ہے۔

12. کیا مسجد میں خواتین کے لیے درسِ قرآن کا اہتمام ہوتا ہے؟

محکمہ اوقاف کی 11 مساجد میں خواتین کے لیے دینی تعلیم کا انتظام موجود ہے جب کہ 78 مساجد میں تاحال ایسا کوئی انتظام نہیں کیا جاسکا ہے۔

13. کیا مسجد میں خواتین کے لیے نماز تسبیح کا اہتمام ہوتا ہے؟

اس سوال کے جواب سے معلوم ہوا کہ صرف 4 مساجد میں خواتین کے لیے نماز تسبیح کا انتظام موجود ہے جب کہ 85 مساجد میں خواتین کے لیے نمازِ تسبیح کا کوئی انتظام موجود نہیں ہے۔

14. کیا مسجد میں خواتین کے لیے دینی تعلیم کا انتظام ہے؟

اس سوال کے جواب میں معلوم ہوا کہ صرف 15 مساجد میں خواتین کی دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا گیا ہے اور 74 مساجد میں خواتین کے لیے دینی تعلیم کا انتظام تاحال نہیں کیا جاسکا ہے۔

15. کیا مسجد میں دار الافتاء موجود ہے؟

محکمہ اوقاف کی 29 مساجد میں دار الافتاء موجود ہے جب کہ 60 مساجد میں دارالافتاء موجود نہیں ہے۔

16. کیا مسجد میں خطبہ جمعہ کا اہتمام ہوتا ہے؟

محکمہ اوقات کی تمام مساجد میں خطبہ جمعۃ المبارک کا اہتمام ہوتا ہے۔

17. کیا خطبہ جمعہ معاشرتی ضروریات کے مطابق ترتیب دیا جاتا ہے؟

تمام مساجد سے حاصل ہونے والی معلومات سے پتہ چلا ہے کہ خطبہ جمعہ کے موضوعات عصری ضروریات اور تقاضوں کے عین مطابق ہوتے ہیں۔

18. کیا مسجد میں درسِ حدیث اور بنیادی فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے؟

80 مساجد کی جانب سے اس سوال کا جواب اثبات میں ملا ہے جب کہ 9 مساجد میں حدیث اور فقہ کی تعلیم و تدریس کا کوئی اہتمام نہیں ہے۔

19. ان دروس میں مجموعی طور پر شرکاء کی تعداد کتنی ہوتی ہے؟

مساجد کی جانب سے معلوم ہوا کہ ان دروس میں شامل ہونے والے لوگوں کی اوسط تعداد 30 ہوتی ہے۔

20. کیا مسجد میں رمضان المبارک کے دوران افطاری کے پروگرام ہوتے ہیں؟

76 مساجد کی جانب سے موصول ہونے والے جوابات میں اس سوال کا جواب اثبات میں دیا گیا تھا جب کہ 13 مساجد کی جانب سے معلوم ہوا کہ وہاں رمضان المبارک میں افطار پروگراموں کا انعقاد نہیں کیا جاتا ہے۔

21. محلے کی سطح پر عام عوامی مسائل کے حل میں مسجد کا کردار کتنے فیصد ہے؟

اس کے جواب میں معلوم ہوا کہ مسجد کا کلی کردار انتہائی قابلِ تشویش ہے کیونکہ محض 50 فیصد نمازی اپنے خاندانی اور سماجی مسائل کے حل کے لیے مسجد میں مامور افراد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

22. کیا مسجد میں تبلیغی وفود آتے ہیں؟

57 مساجد میں تبلیغی وفود کے آنے اور پڑاوڈالنے کی خبر ملی ہے جب کہ 32 مساجد میں تبلیغی وفود نہیں آتے ہیں۔

23. کیا مسجد کی جانب سے معاشرے میں تبلیغی مشن بھیجے جاتے ہیں؟

معاشرے میں چھوٹے چھوٹے تبلیغی وفود بھیجنے کے حوالے سے 40 مساجد کی انتظامیہ متحرک ہے جب کہ 49 مساجد کی جانب سے ایسے تبلیغی وفود کے بھیجنے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔

24. کیا مسجد کی جانب سے دعوتی لٹریچر کی اشاعت کی جاتی ہے؟

4 مساجد کی انتظامیہ کی طرف سے دعوت و تبلیغ کی غرض سے بسا اوقات اصلاحی لٹریچر شائع کروایا جاتا ہے جب کہ 80 مساجد میں تاحال ایسی کوئی سرگرمی عمل میں نہیں لائی گئی ہے۔5 مساجد میں ایک ایک دو دو مرتبہ ایسا کام ہوا ہے لیکن ان کی انتظامیہ نے ایسے کام میں مستقل مزاجی کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔

25. کیا مسجد میں غیر رسمی تعلیم کے کیمپ لگائے جاتے ہیں؟

ان مساجد میں سے 12 مساجد میں بعض اوقات غیر رسمی تعلیم کے کیمپ لگائے جاتے ہیں جب کہ 77 مساجد میں ایسا کوئی کیمپ نہیں لگایا جاسکا ہے۔

26. کیا مسجد میں طبی کیمپ لگائے جاتے ہیں؟

تاحال محض 4 مساجد میں طبی کیمپ لگائے جاسکے ہیں جب کہ 85 مساجد میں ایسا کوئی کیمپ نہیں لگایا گیا ہے۔

27. کیا مسجد میں امام ،خطیب اور خادم کی اسامی پر کی جا چکی ہے؟

9 مساجد میں امام اور خطیب کی دونوں اسامیاں پر کی جاچکی ہیں جب کہ 60 مساجد میں امام اور خطیب میں سے ایک اسامی خالی ہے اور ایک ہی فرد کو دونوں ذمہ داریاں ادا کرنا پڑ رہی ہیں۔ اس کے علاوہ 20 مساجد میں امام اور خطیب کو مستقل نہیں بلکہ مخصوص میعاد کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔

28. کیا امام مسجد کے پاس حفظ القرآن اور تجوید و قراءت کی سند اور صلاحیت موجود ہے؟

محکمہ اوقاف کی تمام مساجد میں تعینات ائمہ میں تجوید و قراءت کی صلاحیت موجود ہے۔

29. کیا خطیب کے پاس درسِ نظامی/ایم اے اسلامیات اور تخصصِ افتاء کی سند و صلاحیت موجود ہے؟

محکمہ اوقاف کی تمام مساجد کے خطبا درسِ نظامی کے فارغ التحصیل ہیں۔ ان میں بعض خطبا نے باقاعدہ ایم اے اسلامیات کی ڈگری بھی حاصل کر رکھی ہے۔

30. کیا امام مسجد اوقاف کی طرف سے مطلوبہ قابلیت پر پورا اترتا ہے؟

محکمہ اوقاف میں تعینات تمام خطبا اور ائمہ محکمہ کی جانب سے مطلوب تعلیمی و فنی استعداد کے حامل ہیں۔

31. کیا امام کی تنخواہ سے اس کے اخراجات باآسانی پورے ہو جاتے ہیں؟

صرف 15 مساجد کے ائمہ اور خطبا نے بتایا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنی تنخواہ میں گزارا کر لیتے ہیں جبکہ باقی 74 مساجد کے ائمہ و خطبا نے بتایا کہ ان کی تنخواہیں ان کے اخراجات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔

32. کیا عام لوگ اپنے سماجی مسائل کا حل طلب کرنے کے لیے مسجد کے امام و خطیب سے رابطہ کرتے ہیں؟

13 مساجد میں لوگوں کا اپنے روز مرہ مسائل کے حل کے لیے امام اور خطیب کی طرف رجوع کرنے کا رجحان موجود ہے جب کہ 64 مساجد میں ایسا کوئی رجحان دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ 18 مساجد میں بعض اوقات لوگوں کا یہ رجحان ملا ہے لیکن یہ روایت مستقل نہیں بن سکی ہے۔

33. کیا مسجد میں امامت میراث در میراث چلی آ رہی ہے یا اوقاف نے اہلیت کی بنا پر تعیناتی کی ہے؟

70 مساجد سے معلوم ہوا ہے کہ امام اور خطیب کا منصب وراثتی طور پر والد کے بعد بیٹے کو سونپ دیا جاتا ہے جب کہ 19 مساجد میں امام اور خطیب کا تقرر ادارے کے طریقہ تقرر کے مطابق کیا جاتا ہے۔

34. کیا امام اور خطیب مسجد میں باقاعدگی سے آنے والے لوگوں کو جانتے ہیں؟

50 مساجد کے ائمہ اور خطبا نے بتایا کہ وہ باقاعدگی سے نماز پڑھنے کے لیے آنے والے لوگوں کو نہیں جانتے ہیں۔16 مساجد کے ائمہ اپنے نمازیوں کو پہچانتے ہیں جب کہ 23 مساجد کے ائمہ و خطبا نے بتایا کہ وہ بعض نمازیوں سے واقف ہیں۔

35. کیا مسجد کمیٹی (انتظامیہ) کے لوگ نماز پنجگانہ مسجد میں ادا کرتے ہیں؟

صرف 2 مساجد کی انتظامیہ کمیٹی کے تمام ارکان نمازِ پنجگانہ مسجد میں باجماعت ادا کرتے ہیں جب کہ 70 مساجد کی انتظامی کمیٹیوں کے تمام ارکان متعلقہ مسجد میں باجماعت نماز ادا نہیں کرتے ہیں۔17 مساجد کی انتظامی کمیٹی کے افراد کبھی مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں اور کبھی ادا نہیں کرتے ہیں۔

36. کیا مسجد انتظامیہ کے افراد دینی علوم کے ماہر ہیں؟

9 مساجد کے منتظمین دینی علوم و فنون سے واقف ہیں جب کہ 20 مساجد کے منتظمین کلی طور پر دینی علوم و فنون سے بے بہرہ ہیں۔50 مساجد کی انتظامیہ کے افراد جزوی طور پر دینی علم کے حامل ہیں۔

37. کیا بجلی اور گیس کے بل محکمہ اوقاف کی طرف سے باقاعدگی سے ادا کیے جاتے ہیں؟

کسی بھی مسجد کا بجلی، پانی اور گیس کا بل محکمہ اوقاف کی طرف سے باقاعدگی کے ساتھ ادا نہیں کیا جاتا ہے۔54 مساجد کا بل بعض اوقات محکمہ کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے جب کہ 34 مساجد کی انتظامیہ کمیٹی تمام بلز خود جمع کر کے ادا کرتی ہے۔

38. کیا مسجد انتظامیہ کا امام اور خطیب کے ساتھ رویہ عزت و احترام پر مبنی ہے؟

تمام مساجد کے ائمہ و خطبا نے اس ضمن میں جواب دیا کہ مسجد کی کمیٹی کے ارکان کا ان کے ساتھ انتہائی عزت و احترام والا رویہ ہے۔

39. کیا مسجد انتظامیہ کی جانب سے مسجد کے امور کے حوالے سے وقتاً فوقتاً میٹنگ کا اہتمام کیا جاتا ہے؟

82 مساجد میں انتظامی امور کے حوالے سے وقتاً فوقتاً مختلف نشستوں کا اہتمام کیا جاتا ہے جب کہ 7 مساجد میں ایسی کسی بھی میٹنگ کا کوئی رواج نہیں ہے۔

40. کیا مسجد سے متعلق امور سے متعلق فیصلہ سازی کے دوران امام اور خطیب سے مشاورت کی جاتی ہے؟

88 مساجد کے ائمہ و خطبا نے اس کا جواب اثبات میں دیا جب کہ ایک مسجد کے خطیب و امام نے بتایا کہ مسجد کے انتظامی امور کے بارے میں فیصلہ سازی کے عمل میں اس کے ساتھ مشاورت نہیں کی جاتی ہے۔

41. بامر مجبوری اگر کوئی امام یا خطیب چھٹی پر چلا جائے تو اس کی جگہ کوئی اور فرد ذمہ داری ادا کر سکتا ہے؟

تمام مساجد کے ائمہ و خطبا نے اس کا جواب اثبات میں دیا تھا۔

سروے کا تجزیہ

سروے سے معلوم ہونے والی اہم باتوں میں زیادہ تشویش ناک امر یہ ہے کہ محکمہ اوقاف کی مساجد کو تعلیمی سرگرمیوں کے لیے استعمال کرنے کے حوالے سے انتظامیہ کارگزادی انتہائی مایوس کن ہے کیونکہ مساجد کی تمام عمارات کو غریب طلبہ کی دنیوی تعلیم کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن اس ضمن میں محض 19 مساجد جزوی طور پر متحرک پائی گئی ہیں جب کہ باقی مساجد میں اس کا انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ان مساجد کو دنیوی تعلیم کے علاوہ درسِ نظامی کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن محض 21 مساجد کی انتظامیہ نے اس جانب توجہ کی ہے جب کہ باقی مساجد سے اس پہلو کے حوالے سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے۔ صرف 18 مساجد میں چھوٹے چھوٹے دینی کورسوں کا سلسلہ چل رہا ہے جب کہ 71 مساجد اس تعلیمی پراجیکٹ سے خالی ہیں۔اسی طرح 4 مساجد کے علاوہ باقی مساجد میں کسی قسم کی فنی تعلیم نہیں دی جارہی ہے اور اسی طرح 74 مساجد میں خواتین کے لیے کسی قسم کی دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام نہیں ہے۔ صرف 12 مساجد میں غیر رسمی تعلیمی کیمپ لگانے کے بعد باقی 76 مساجد کی عمارات بھی اسی قسم کے کیمپ لگانے کی متقاضی بن جاتی ہیں۔

مسجد کا قیام عوام کو دینی امور سے متعلق رہنمائی کے لیے عمل میں لایا جاتا ہے اور اس ضمن میں دار الافتاء کا وجود مسجد کا جزوِ لاینفک ہے لیکن سروے سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق صرف 29 مساجد میں اس کا اہتما کیا گیا ہے اور باقی مساجد میں ایسا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس جمن میں قابلِ گور امر یہ بھی ہے کہ محکمہ اوقاف کی صرف 4 مساجد کی جانب سے دعوتی و تبلیغی لٹریچر کی اشاعت کی جاتی ہے جب کہ باقی 85 مساجد کی طرف سے ایسی کسی سرگرمی کی کوئی خبر نہیں مل سکی ہے۔ مسجد کے دعوتی اور تبلیغی کردار کی اس کمزوری کی وجہ سے ہی صرف دس مساجد کی طرف سے سماجی پروگراموں میں دینی میلان ورجحان پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مسجد کے تعلیمی و تبلیغی کردار میں درس قرآن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن محکمہ اوقاف کی مساجد، جن میں قابل اور باصلاحیت خطبا کا تقرر کیا جاتا ہے، ان کی جانب سے دروسِ قرآن میں بھی کسی قسم کی دلچسپی ظاہر نہیں کی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ محض 16 مساجد میں اس کا اہتمام ہے۔

اور مزید یہ کہ مساجد کی انتظامیہ کے ارکان کا ارنتخاب کرتے وقت بھی میرٹ کو مد نظر نہیں رکھا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ 89 میں سے محض 9 مساجد کی انتظامیہ کے ارکان دینی علوم سے شغف رکھتے ہیں اور باقی 89 مساجد کے منتظمین دینی علوم وفنون سے لاعلم ہیں۔ اگر دینی علوم سے معمور افراد کو انتظامی ذمہ داریاں سونپی جائیں تو یقینا مسجد کا معاشرتی، تعلیمی اور تبلیغی و اصلاحی کردار انتہائی موثر ہو سکتا ہے۔

فصل سوم: اوقاف کی مساجد کا تعلیمی کردار

محکمہ اوقاف کی مساجد میں اگرچہ اوقاف کی طرف سے باقاعدہ طور پر کوئی منظور شدہ نصاب موجود نہیں ہے لیکن اوقاف کی مساجد کے ائمہ نے اپنے طور پر مساجد میں تعلیمی، تربیتی اور دعوتی سلسلہ شروع کیا ہے جسکا معاشرے پر مثبت اثر پڑتا ہے اور لوگوں کی اچھی تربیت کے ساتھ ساتھ تعلیمی اور دعوتی سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔

محکمہ اوقاف کی مساجد کا تعلیمی کردار

ترجمہ قرآن کلاس

دوران سروے یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ محکمہ اوقاف کی 70 مساجد میں باقاعدہ طور پر ترجمہ قرآن کی کلاسز ہوتی ہے جس میں محلے کے تقریبا 30 فیصد نمازی شریک ہوتے ہیں۔ زیادہ تر مساجد میں ترجمہ قرآن کی کلاس عشاء کی نماز کی بعد ہوتی ہے، اس میں زیادہ لوگ شریک ہوتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ اس وقت لوگوں کی فراغت ہوتی ہے جبکہ کچھ مساجد میں یہ کلاس نماز فجر کے بعد ہوتی ہے جس میں لوگ قرآن کو ترجمہ کیساتھ سیکھتے ہیں جبکہ 19 مساجد ایسے ہیں جن میں ترجمہ قر+ آن کی کوئی کلاس نہیں ہوتی۔

ناظرہ قرآن کی کلاس

محکمہ اوقاف کی اکثر مساجد میں ناظرہ قرآن باقاعدگی کیساتھ پڑھایا جاتا ہے ہمارے سروے کے مطابق محکمہ اوقاف کی 73 مساجد میں ناظرہ قرآن کی کلاس پڑھائی جاتی ہے جس میں محلے کے بچے ناظرہ قرآن سیکھنے آتے ہیں۔ عموما یہ کلاس ظہر کی نماز کے بعد ترتیب دی جاتی ہے جس میں بچے سکول سے چھٹی کے بعد قرآن پڑھنے آتے ہیں اور بعض مساجد میں نماز عصر کے بعد ناظرہ قرآن کی کلاس ہوتی ہے جبکہ 16 مساجد ایسی ہیں جن میں بچوں کو قرآن پڑھانے کی کوئی ترتیب نہیں ہے یہ قابل افسوس بات ہے کہ اسلام کے بنیادی مراکز میں بچوں کی قرآنی تعلیم کا بندوبست نہیں ہے۔

حفظ قرآن کی کلاس

اوقاف کے اکثر مساجد میں حفظ قرآن کی کلاس باقاعدگی کیساتھ پڑھائی جاتی ہے دوران سروے یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ اوقاف کی 55 مساجد میں حفظ قرآن کی کلاس موجود ہے ان مساجد میں رہائشی طلباء کیساتھ ساتھ غیر رہائشی طلباء کیلئے بھی تعلیم کا انتظام ہے ۔ جبکہ 10 مساجد ایسی ہیں جن میں کسی حد تک طلباء کیلئے حفظ قرآن کی کلاس موجود ہے اور 24 مساجد ایسی ہیں جن میں یہ اہتمام نہیں ہے۔

عصری تعلیم

محکمہ اوقاف کی مساجد میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم بھی دی جاتی ہے جو کہ غریب اور نادار طبقے کے لوگوں کیلئے مفید ہے۔ محکمہ اوقاف کے 19 مساجد میں کسی حد تک عصری تعلیم دی جاتی ہے لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ ان مساجد میں باقاعدہ عصری تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ بعض مساجد میں بچوں کو لازمی مضامین پڑھائے جاتے ہیں اور یہ طلباء اپنے طور پر سکول کا امتحان دیتے ہیں اور بعض مساجد میں متوسطہ کی کلاسز کو سکول کا نام دیا گیا ہے اور 70 مساجد میں ایسی کوئی سہولت موجود نہیں۔

خطبہ جمعہ

محکمہ اوقاف کے تمام مساجد میں نماز جمعہ کا خطبہ دیا جاتا ہے خطبہ جمعہ معاشرتی ضروریات کے مطابق ترتیب دیا جاتا ہے جس میں جدید مسائل اور معاشرتی ضروریات کیمطابق لوگوں کی رہنمائی کی جاتی ہے۔

محکمہ اوقاف کی مساجد میں درس نظامی کی ترتیب

درس نظامی کا آغاز

برصغیر پاک وہند کے مدارس عربیہ میں مروج نصاب تعلیم کو اس کے مرتب ملا نظام الدین سہالوی کی نسبت سے درس نظامی کہا جاتا ہے۔

ملانظام الدین محمد سہالوی[1] کا سلسلہ نسب صحابی رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے[2]

"ملا قطب الدین کے چار بیٹے تھے ملا اسد، ملا محمد سعید، ملا نظام الدین محمد اور ملا محمد رضا۔ ملا سعید نے والد کی شہادت پر اورنگزیب عالمگیر[3] سے فریاد لگائی اس پر بادشاہ نے انہیں لکھنؤ میں رہائش کے لئے فرنگی محل دے دیا"[4]

ملانظام الدین نے جو نصاب تعلیم مرتب کیا وہ انتہائی اہم اور کئی خصوصیات کا حامل تھا یہی وجہ تھی کہ بہت جلد اس نصاب کو ہندوستان کے باقی مدارس نے بھی اپنا لیا۔

دینی تعلیم

محکمہ اوقاف کی 21 مساجد میں کسی حد تک درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے جس میں ملک پاکستان کے مختلف علاقوں کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں ان میں رہائشی بچوں کیلئے کھانے وغیرہ کے تمام انتظامات موجود ہے۔ درسی نظامی میں بچے درجہ متوسطہ سے لیکر درجہ عالمیہ (دورہ حدیث) تک تعلیم حاصل کرتے ہیں جبکہ 68 مساجد میں درس نظامی کی تعلیم نہیں دی جاتی۔

---

1 نظام الدین محمد سہالوی، ملانظام الدین کے نام سے شہرت رکھتے تھے۔ درس نظامیہ کا بانی ہیں 27 مارچ 1677ء میں پیدا ہوئے اور 8 مئی 1748ء میں وفات پائے۔

2 اختر راہی، تذکرہ مصنفین درسی نظامی، مکتبہ رحمانیہ 118 اردو بازار لاہور، صفحہ 13

3 اورنگزیب عالمگیر 3 نومبر 1816ء کو پیدا ہوئے، مغلیہ سلطنت کا چھٹا باشاہ تھا جس نے 1658ء سے 1707ء تک حکومت کی۔ وہ مغلیہ سلطنت کا آخری عظیم الشان حکمران تھا۔ 3 مارچ 1707ء کو وفات پائے۔

https://ur.wikipedia.org/wiki

accessed:11/07/201

4 ایضاً صفحہ نمبر 14

محکمہ اوقاف کی مساجد میں دارالافتاء کا انتظام

دارالافتاء

اسلام ایک ہمہ گیر مذہب ہے اس نے اپنی ہمہ گیری اور دوامی حیثیت کی بقا کی خاطر اپنے اندر ایسی لچک اور گنجائش رکھی ہے کہ ہر دور اور ہر جگہ انسانی ضروریات کا ساتھ دے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں قرآن اور سنت پر گہری نظر رکھنے والے علماء اور مفتیان کی جماعت پیدا ہوتی رہی ہے جس نے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں ان نت نئے مسائل کا حل پیش کیا تاکہ امت ان پیش آمدہ مسائل میں الجھن کا شکار نہ ہوں۔

فتوی کا دائرہ کار

فتوے کا تعلق انسان کے کسی ایک پہلو کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے ہر مرحلے میں ایک مصلح اور نگران کی حیثیت رکھتا ہے ، انسان کے عقائد ، نظریات ، انسان کی ذاتی زندگی کی نجی پہلو، خاندانی زندگی کے مختلف مراحل، انسان کی معاشی اور معاشرتی زندگی کے مختلف مراحل و مسائل، ملک چلانے کے اصول اور بین الاقوامی تعلقات کے نشیب وفراز، جنگ و صلح سے متعلق ہدایات بھی فتوے کے اصول سے باہر نہیں ہے حتی کہ مستقبل میں ایک مکمل انصاف بر مبنی نظام حیات کیلئے فتوی از حد ضروری ہے۔

دارالافتاء کی اہمیت

عہد رسالت ہی سے اس عہدہ کی اہمیت مسلم رہی ہے، اس لئے کہ شریعت اللہ کی نازل کردہ اور پیغمبر اسلام کے بیان کردہ نظام حیات کا نام ہے۔اللہ کا یہ نظام قرآن پاک کی صورت میں ایک متن کی حیثیت سے مسلمانوں کے پاس محفوظ ہے۔ اس متن کے اصول وضوابط اور عملی طریقہ کار کی وضاحت حدیث رسول اللہ میں موجود ہے۔تا ہم زندگی کے مختلف حوادث اور مسائل وجزئیات پر اس متن کو اور اس کے اصول کو منطبق کرنے کا کام علماء اور خصوصا مفتیان دین متین کا ہے۔اس لئے نظام شریعت میں مفتی کی بڑی اہمیت ہے،یہی وجہ ہے کہ اس عظیم منصب پر سب سے پہلے خود آپکی ذات بابرکت جلوہ افروز تھی۔اسلام کے ابتدائی دور میں جب

مسلمانوں کی تعداد کم اور مسائل شرعیہ سے ناواقف تھے تو وہ مدینہ واطراف مدینہ سے آکر مسائل دریافت کرتے جس کو قرآن نے یوں بیان کیاہے۔

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾[1]

ترجمہ: یہ لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دیتاہے۔

لیکن جب اسلام فاران کی چوٹیوں سے باہر نکلا اور اسلام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہونے لگا،دور دراز علاقوں میں اسلام کی بازگشت سنائی دینے لگی ،اور بلاد بعیدہ سے سفر کرکے آنا اور مسائل دریافت کرنا سیاسی ومعاشی ہردو لحاظ سے دشوار ہوگیا ،تو نبی ﷺ نے اہل علم صحابہ کی ایک جماعت کومختلف مقامات پر بھیجا،انہوں نے وہاں جاکر باضابطہ طورپر کتاب وسنت کی روشنی میں منصب افتاء کے فرائض انجام دیئے جیساکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کیا۔

((أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث معاذا إلى اليمن، فقال: كيف تقضي؟، فقال: أقضي بما في كتاب الله، قال: فإن لم يكن في كتاب الله؟، قال: فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: فإن لم يكن في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟، قال: أجتهد رأيي، قال: الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله))[2]

ترجمہ: آپؐ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد امت نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ منتخب فرمایا تو آپ نے اسلامی نظام سلطنت کے تمام شعبوں کو مستحکم کیا اور فقہ وفتاوی کے لئے باضابطہ ایک شعبہ قائم فرمایا۔

چنانچہ شاہ معین الدین ندوی[3]سیر الصحابہ میں لکھتے ہیں۔

---

[1] سورۃ المائدہ:176

[2] ترمذی، أبواب الأحكام عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء في القاضي كيف يقضي، ص3/ 9، حدیث نمبر 1327

[3] مولاناشاہ معین الدین ندوی مشہور صوفی بزرگ شیخ احمد عبدالحق توشہ رودولوی کے خاندان کے چشم وچراغ تھے شجرہ نسب خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتاہے معین الدین ندوی کے جد شیخ داؤد بلخ سے نویں صدی ہجری میں علاء الدین خلجی کے عہد میں ہندوستان وارد ہو

”حضرت ابو بکرؓ نے مسائل فقہیہ پر تنقید اور عوام کی سہولت کے خاطر ایک محکمہ دارالافتاء کو قائم کر دیا تھا، حضرت عمر، عثمان علی، عبدالرحمن، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم جو اپنے علم واجتہاد کے لحاظ سے تمام صحابہ میں ممتاز تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں اس سلسلہ کو جاری رکھا[1]

موجودہ دور میں اس کی ضرورت بہت بڑھ چکی ہے جس کے اسباب بہت ہیں

(1) آج دنیا انکشافات جدیدہ کے میدان میں بہت آگے نکل چکی ہے، آج انسانی دماغ نے فضا کو محکوم بنالیا اور زمین کا سینہ چیر کر اس کے خزانے نکالنے لگا اور ٹیکنالوجی کا میدان دن بہ دن وسیع سے وسیع تر ہونے لگا، جس کے نتیجہ میں لازما بہت ایسے مسائل سامنے آئے جن کا حل صراحتا کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اور آثار صحابہ میں نہیں جبکہ ہمارا عقیدہ ہیکہ اسلام ایک کامل ومکمل اور دائمی ضابطہ حیات کا نام ہے، تو انہیں دار الافتاؤں نے بحث وتحقیق کر کے ان کا حل قرآن وحدیث سے مستنبط کر کے امت کی رہنمائی کی۔

(2) شرعی احکام اور مسائل دینیہ سے آگاہی ہر مسلمان مرد وعورت کی ضرورت ہے اور اس کی زندگی پر فقہی احکام ومسائل کا گہرا اثر مرتب ہوتا ہے، بہت سے نیک لوگ جو شریعت کے سانچے میں ڈھل کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں وہ قدم بہ قدم شرعی کے محتاج ہوتے ہیں لیکن انہیں کوئی مستند دارالافتاء نظر نہیں آتا اگر آتا بھی ہے تو ہر وقت استفتاء کرنا ممکن نہیں رہتا، لازما وہ کسی جاہل سے اس کا حل معلوم کرتے ہیں جس کے بعد وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو گمراہ کر دیتا ہے اسی کے بارے میں نبی نے ارشاد فرمایا:

((إن الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء، حتى إذا لم يبق عالما اتخذ الناس رءوسا جهالا، فسئلوا فأفتوا بغير علم، فضلوا وأضلوا))[2]

کر دہلی میں مقیم ہوئے اور جب سلطان علاء الدین خلجی نے رودولی، بارہ بنکی بہ طور جاگیر عنایت تو وہ یہاں آکر آباد ہوئے۔ 1903ء میں اپریل میں پیدا ہوئے اور 13 دسمبر 1974ء میں وفات پائے۔

1 الحاج مولانا معین الدین شاہ احمد ندوی، سیر الصحابہ دار الاشاعت کراچی طبع 3004 1/59

2 صحیح بخاری، کتاب العلم، باب: کیف یقبض العلم، ص: 1/13، حدیث نمبر: 100

ترجمہ: اللہ تعالیٰ علم کو اسطرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں سے کھینچ لے لیکن اس کا اٹھانا (موت) علماء کے اٹھانے سے ہو گا لیکن جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے وہ بغیر علم کے فتوی دیا کریں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

مزید یہ کہ آج مسلمانوں کی بڑی تعداد عصری علوم کی خوشہ چینی کررہی ہے ،جنہیں اکثروبیشتر جدید مسائل ومعاملات کا سامنارہتا ہے،بطور خاص جو طب،اقتصادیات،سیاسیات ،صنعت وحرفت کے تخصصات اور شعبوں سے منسلک ہیں کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ جدید مسائل کے بارے میں انہیں کوئی شرعی علم نہیں ہوتا نہ کوئی نص صریح جس کے سبب انہیں یہ گمان ہونے لگتا ہیکہ کیا شریعت ناقص ہے؟ اس لئے جدید طبی مسائل ،عقودومعاملات اور نئے اصول تجارت ومعاشیات کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر کی تحقیق وریسرچ ازحد ضروری ہے،ورنہ اہمال واغماض اور عدم اہتمام کی صورت میں لوگ حیران واضطراب کے شکار ہوسکتے ہیں ،اس لئے وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ معتبر تنظیمیں اور مراکز خاص کر معتبرومعتمد مدارس کے ذمہ دارن اس طرف توجہ دیں اور جدید مسائل کے حل کے لئے ماہر علماء کے زیر اشراف ایسے دار الافتاؤں کا قیام عمل لائیں جو تمام آلات جدیدہ سے لیس ہو اور جلد از جلد اس کا جواب دے سکیں۔

محکمہ اوقاف کی مساجد میں دارالافتاء کا انتظام

محکمہ اوقاف کی مساجد میں اگرچہ اوقاف کی طرف سے باقاعدہ طور کوئی انتظام موجود نہیں ہے لیکن ائمہ مساجد نے اپنے طور بعض مساجد میں افتاء کا انتظام کیا ہے۔ جس میں قرآن وسنت پر گہری نظر رکھنے والے علماء اور مفتیان کرام کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ کی روشنی میں ان نت نئے مسائل کا حل پیش کرتے ہیں تاکہ لوگ ان پیش آمدہ مسائل میں الجھن کا شکار نہ ہو۔

محکمہ اوقاف کی 29 مساجد میں کسی حد تک دار الافتاء کا انتظام موجود ہے۔ جس میں لوگ عقائد، نظریات، ذاتی زندگی کی نجی پہلو، خاندانی زندگی کے احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ کے بارے میں مفتیان کرام سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں جبکہ 60 مساجد ایسے ہیں جس میں لوگوں کے مسائل کے حوالے سے افتاء کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔

خلاصہ باب

باب دوم میں محکمہ اوقاف کی مساجد کا اصلاح معاشرہ میں کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس باب کو تین فصول میں تقسیم کیا ہے جس کی تفصیل ذیل میں درج کیا گیا ہے۔

فصل اول میں محکمہ اوقاف ک کے زیر انتظام مساجد کے لیے قانونی کے مختلف پہلوؤں پر بات کرتے ہوئے قانون سازی کے ایکٹ کی اصطلاحات کی توضیح و تشریح کی گئی ہے۔اس فصل میں پاکسانی معاشرہ میں مسجد کی اہمیت وضرورت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ محکمہ اوقاف میں مسجد کمیٹی کے انتخاب کا قانونی طریقہ بیان کیا گیا ہے۔اس فصل میں کمیٹی ارکان کی ذمہ داریوں،حدود و قیود اور متفرق قوانین کو تفصیلا بیان کیا گیا ہے۔

فصل دوم میں محکمہ اوقاف کے زیر انتظام مساجد کا بذریعہ سروے جائزہ لیا گیا ہے۔اس سروے میں سوال نامے کی صورت میں براہ راست موقع پر جا کر عمومی مسائل کو دیکھا گیا اور ائمہ سے مختلف سوالات پوچھے گئے جن کے جوابات سے حاصل ہونے والی معلومات کو قلمبند کیا گیا ہے۔اور آخر میں سروے پر تبصرہ اور تجزیہ کیا گیا ہے۔

فصل سوم میں محکمہ اوقاف کے زیر انتظام مساجد میں تعلیمی کردار پر بحث کی گئی ہے۔اس فصل میں مسجد کو ایک درسگاہ کے طور پر پیش کرتے ہوئے تعلیمی سرگرمیوں کی وضاحت کی گئی ہے۔نیز ان مساجد میں تعلیم کی نوعیت پر بھی بات کی گئی ہے کہ کس کس نوعیت کی تعلیم مساجد سے دی جارہی ہے۔

باب سوم: مسجد کے دعوتی وتربیتی کردار میں حائل رکاوٹیں

فصل اول: دعوتی کردار میں حائل رکاوٹیں

فصل دوم: تربیتی کردار میں حائل رکاوٹیں

فصل سوم: عوام اور مسجد کے تعلق میں حائل رکاوٹیں

فصل اول: دعوتی کردار میں حائل رکاوٹیں

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ذمے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام لگا رکھا ہے اور یہ فریضہ انسانی معاشروں میں مبعوث ہونے والے ہر ایک نبی نے پوری تن دہی سے ادا کیا تھا۔ اسی لیے علما کو انبیاء کے وارث قرار دیا گیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ خیر اور شر کا تصادم تاریخ کے ہر موڑ پر رہا ہے اور اسی تصادم میں خیر کی فتح مندی کے لیے اللہ تعالیٰ نے داعی کے روپ میں ہر قوم کے اندر انبیاء کو بھیجا جنھوں نے جنت اور جہنم کا تصور پیش کرتے ہوئے دنیاوی اور اخروی اعتبار سے لوگوں کی اصلاح کا فریضہ سر انجام دیا۔

﴿وَيَا قَوْمِ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ﴾[1]

ترجمہ: اور اے میری قوم! مجھے کیا ہے کہ میں تمھیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو۔

ہر ذی علم کے لیے یہ ایک ضروری کام ہے کہ وہ عصر حاضر کی گمراہیوں میں کھوئے ہوئے لوگوں کو راہِ راست پر لانے، بگڑے ہوئے لوگوں کو سنوارنے، انحراف زدہ قوم کو سیدھا کرنے اور کمزور ایمان والے لوگوں کے ایمان و ایقان کو مضبوط کرنے کے لیے دعوت دین کا کام حقیقت پسندانہ اور اعتدال پر مبنی اسلوب میں کرے۔ اس کام کو صحیح راستے پر استوار کیا جائے تاکہ اصلاح کا کام زیادہ ہو اور بگاڑ کو زیادہ سے زیادہ کم کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ کی انسانوں کے ساتھ یہی سنت رہی ہے کہ جب بھی ان میں شر اور فساد پیدا ہوا ہے، ان میں انبیاء کو دعوت دین کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾[2]

---

[1] سورۃ غافر: 41

[2] سورۃ البقرہ: 213

ترجمہ: سب لوگ ایک جماعت تھے، پھر اللہ نے نبی بھیجے خوشخبری دینے والے، اور ڈرانے والے، اور ان کے ساتھ کتاب اتاری حق کے ساتھ، تاکہ فیصلہ فرمائے لوگوں کے درمیان اس بات کا جس میں انھوں نے اختلاف کیا اور یہ اختلاف ان ہی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی۔ اور انھوں نے یہ اختلاف باہمی ضدا ضدی کے باعث اس کے بعد کیا جب کہ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں آچکی تھیں، پھر اللہ نے اپنے فضل سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اس امر حق کی ہدایت دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔

دعوت و تبلیغ کی ضرورت کے فلسفے کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ برائیاں اور فساد دنیا میں ہمیشہ موجود رہے ہیں اور انہیں دور کرنے کے لیے مذہبی طبقے کی طرف سے کوششیں اور کاوشیں بھی سامنے آتی رہی ہیں۔ برائیوں میں ایک مرتبہ دعوت کے عمل سے کمی پیدا کر دی جائے تو کچھ عرصہ بعد وہ دوبارہ سر اٹھانے لگتی ہیں۔ انہیں دبانے کے لیے دعوت کے عمل میں پھر تیزی لانی پڑتی ہے۔ یہ عمل مسلسل چلتا رہتا ہے۔ اسلام میں دعوت کا بنیادی مرکز مسجد ہے۔ مسلمانوں میں مسجد کو معاشرتی اور روحانی اعتبار سے اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ مسجد میں جمعۃ المبارک اور دروس قرآن کا سلسلہ دعوت کا ایک مستقل عمل ہے لیکن بعض ایسے مسائل معاشرے میں موجود رہے ہیں جن کی وجہ سے مسجد کا دعوتی کردار متاثر ہوا ہے۔ ان مسائل میں مندرجہ ذیل سر فہرست ہیں:

فرقہ وارانہ تعصب

قرآن مجید میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں متفرق نہ ہو، اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تمہارے اوپر ہے جبکہ تم دشمن تھے سو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرما دی لہٰذا تم اس کی

[1] سورۃ آل عمران:103

نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اللہ نے تم کو اس سے بچا دیا۔ اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے تمہارے لیے اپنی آیات تا کہ تم ہدایت پر رہو۔

مذکورہ آیت کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رسی یعنی قرآن مجید ہی مسلمانوں کے لیے رجوع کا مرکز ہے۔ اس کے ساتھ منسلک رہنے سے مسلمانوں کے مابین اتحاد قائم رہ سکتا ہے۔ اس سے ہٹ جانے کی بدولت ان میں اختلاف اور انتشار پھیلنے کا خوب اندیشہ ہے۔ لیکن عملی زندگی میں مسلمانوں کی موجودہ حالت کو دیکھا جائے تو اس پر مہرِ یقین ثبت ہو جاتی ہے کیونکہ اس وقت مسلمان انتشار کا اس حد تک شکار ہیں کہ وہ مساجد جن کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی جانب منسوب کیا ہے ان پر بھی مختلف مکاتب فکر اور مسالک کی تختیاں آویزاں ہیں۔ اس کے سبب اس وقت کوئی بھی مسجد اس وقت تک تعمیر کرنے کی اجازت نہیں مل سکتی ہے جب تلک اس مسجد کو کسی مخصوص فرقے کے ساتھ منسلک کر کے حکومت کے سامنے پیش نہ کیا جائے۔ خود محکمہ اوقاف کی مساجد کی یہی صورت حال ہے کہ ان کا تعلق کسی نہ کسی مسلک کے ساتھ لازم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ محکمہ اوقاف کی مساجد کے باہر لگی ہوئی تختی کے ساتھ ہی اس کے مکتب فکر کا نام بھی لکھا ہوتا ہے۔

مکتبِ فکر کا مطلب اگر اختلافِ رائے ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نظر نہیں آتا ہے۔ ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید نے اختلاف کی تین اقسام "اختلاف مذموم، اختلاف ممدوح اور اختلاف جائز" بیان کرنے کے بعد اختلاف جائز کے حوالے سے لکھا ہے کہ "اختلاف جائز اجتہادی مسائل میں مجتہدین، فقہا، مفتیان اور حکام کے مابین اختلاف ہے۔۔۔ مسلمان علما، فقہا اور حکام دور صحابہ سے اب تک اصل اختلاف کا انکار کیے بغیر مسائل میں اختلاف کرتے آئے ہیں[1]"۔

چنانچہ فقہی اختلاف کو اس کی علمی سطح پر رکھ کر اس کے حل کی جانب قدم اٹھانا ایک مستحسن عمل ہے، لیکن جب مسئلہ کے بارے میں کسی ایک عالم کی رائے اس کے لیے انا کا مسئلہ بن جائے تب وہ تعصب اور تنگ ذہنی کو ترویج دیتے ہوئے انتشار و افتراق کا سبب بن سکتی ہے۔ مساجد کو مکاتب فکر اور مسالک کے ساتھ منسوب کیساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ وہ منبر و محراب جن کا مقصد تبلیغ و اشاعت اسلام تھا وہ اب فرقہ ورانہ فسادات کی طرف عوام کو لے جا رہے ہیں۔ شاید ہی کوئی خطبہ جمعہ یا کانفرنس ہو گی جس میں فریق مخالف پر کیچڑ اچھالنے کا کام نہیں کیا جاتا ہو گا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ دوسرے کسی بھی مسلک کی مسجد میں اول تو نماز پڑھنے سے احتراز کرتے ہیں اور اگر انہیں نماز پڑھنی پڑ جائے تو وہ کوشش کرتے ہیں کہ اس مسجد

---

[1] سلیقہ اختلاف، وزارت اسلامی امور و اوقاف و دعوت و ارشاد، سعودی عرب، 1419ھ، ص:12 تا 14

کے امام کی اقتدا میں نماز ادانہ کی جائے بلکہ اپنی الگ نماز پڑھی جائے۔ اگر جمعہ پڑھنا ہو تو لوگ عین اس وقت مسجد میں داخل ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں جب خطبہ ختم ہو چکا ہو۔ یوں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد خطیب کے وعظ سے محروم ہو جاتی ہے۔ لوگ افتراق اور انتشار سے بھرے خطبات سن سن کر تنگ آ چکے ہیں اور اسی لیے وہ علما کے وعظ سے دور رہتے ہیں۔ اس کا نقصان اس صورت میں سامنے آیا ہے کہ اب اگر کوئی حقیقی اصلاحی اور تبلیغی درس بھی مسجد میں دینے کی کوشش کرتا ہے تو لوگ اس کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے بادل نخواستہ ہی اس میں شامل ہوتے ہیں۔

ائمہ و خطباء کی معاشرہ سے متعلق کم علمی

عصر حاضر میں دنیا کا ہر معاشرہ مسائل سے دوچار ہے۔ پاکستانی معاشرے میں خاندانی اور فکری نظام یہاں تک کہ فرد کا نفسیاتی نظام بھی تتر بتر ہو چکا ہے۔ اس صورت میں مساجد، جہاں سے دین کی آواز اٹھتی ہے اور جہاں سے تبلیغ و رہنمائی کا مشن جاری ہوتا ہے، ائمہ مساجد کا فرض بنتا ہے کہ معاشرے سے متعلق علمی اور فکری طور پر آگاہ ہوں اور تمام شعبہ ہائے زندگی کے ساتھ منسلک لوگوں کی ہر حوالے سے رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں۔ احادیث میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں اور ان کا ذکر پہلے باب میں کر دیا گیا ہے جن کے مطابق میں مساجد کے تبلیغی کردار میں عملی مسائل کو حل کرنا شامل ہے۔

زیادہ تر مساجد میں ہر نماز کے بعد درس قرآن کا اہتمام کیا جاتا ہے جو کہ ایک خوش آئند قدم ہے لیکن ان دروس کے موضوعات زیادہ تر روحانیت سے متعلق ہی ہوتے ہیں۔ ان میں نماز روزے اور حج و زکوۃ و صدقات وغیرہ کے دائرے سے باہر نہیں نکلا جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال مارکیٹ میں ملنے والی وہ تمام کتب ہیں جو ائمہ مساجد کے وعظ اور ان کے دروس کے لیے انھیں مواد مہیا کرنے کی غرض سے لکھی جا رہی ہیں۔ ان کتابوں میں ایمانیات، عبادات اور اخلاقیات کے موضوعات سے متعلق آیات و احادیث کے ساتھ ساتھ علما کے اقوال اور ادبی اشعار کے ساتھ ساتھ حکایات و واقعات کو جمع کر کے شائع کیا جاتا ہے۔

اصولی طور پر خطبات کے اس مواد کے ساتھ جدید تحقیقات اور جدید نقطہ ہائے فکر بھی دروس کا حصہ بنائے جانے چاہییں کیونکہ محض احادیث و آثار کی مدد سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام کسی معاملے میں ہدایت کی کون کون سی بنیادیں مہیا

کرتا ہے لیکن ان معاملات کی معاصر شکلوں کو اصلاحی رنگ کس طرح دینا ہے؟وہ اسی صورت میں ممکن ہے اگر مساجد میں مقرر مبلغین معاصر علوم وفنون سے آگاہ ہوں۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے روزنامہ نوائے وقت کی شائع کردہ رپورٹ انتہائی تشویش ناک منظر پیش کرتی ہے جس کے مطابق اس وقت وطن عزیز میں خاندانی نظام شکستگی کا شکار ہے۔زیادہ تر شادیاں طلاقوں پر منتج ہورہی ہیں۔رپورٹ نگار کے مطابق

" پاکستان میں طلاق کی شرح میں 60 فیصد تک اضافہ ہوا ہے۔بد قسمتی سے مغربی تہذیب کے اثرات اور مادر پدر آزاد معاشرے کی اندھی تقلید سے ہمارے ہاں ماضی کے مقابلے میں طلاق سماجی مسئلہ بن چکی ہے۔جو ہمارے اسلامی معاشرہ میں موجود آئیڈیل خاندانی نظام کو جڑوں سے کھوکھلا کر رہی ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق 1970 میں طلاق کی شرح پاکستان میں 13 فیصد تھی جس میں اب 60 فیصد تک اضافہ ہوا ہے"[1]

اس حوالے سے صرف شہر کراچی میں طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح سماء ٹی وی کی رپورٹ میں انتہائی افسوناک حد تک بڑھتی ہوئی نظر آئی ہے۔اس کے مطابق:

یہ ایک المیہ ہے اس معاشرے کا جہاں طلاق کی شرح بڑھتی جارہی ہے، دو ہزار اٹھارہ میں کراچی کے پانچ اضلاع کی عدالتوں میں خلع ، طلاق ، بچوں کی حوالگی سمیت ساڑھے دس ہزار سے زائد کیسز داخل ہوئے، لگ بھگ اٹھائیس سو سے زائد نمٹائے گئے۔سب سے زیادہ ضلع شرقی کی عدالتوں میں 3043 مقدمات داخل کئے گئے، غربی میں 2150 جنوبی کی عدالتوں میں 1648 اور ضلع وسطی کی عدالتوں میں 2100 مقدمات دائر ہوئے۔دو ہزار سترہ میں یہ تعداد ایک ہزار کم تھی، یعنی 2017 میں کراچی کی عدالتوں میں ساڑھے نو ہزار فیملی کیسز فائل ہوئے 2016 میں دائر ان کیسوں کی تعداد نو ہزار تھی۔[2]

[1] زنیرہ رشید، طلاق کی شرح میں اضافہ آخر کیوں؟،روزنامہ نوائے وقت،8 ستمبر 2019 آن لائن اشاعت
https://www.nawaiwaqt.com.pk/08-Sep-2019/1059050

[2] https://www.samaa.tv/urdu/pakistan/2019/01/1431507/

شادیاں کیوں ٹوٹ رہی ہیں؟ وہ کون سے عناصر ہیں جو میاں بیوی کے مابین محبت اور مودت کے جذبات کو نفرت میں بدل دیتے ہیں؟ میاں بیوی کے مابین ایسی کون سی ناچاقیاں رونما ہوتی ہیں جو خاندان کے ادارے کے لیے زہرِ ہلاہل بن جاتی ہیں اور پھر دونوں کو ہمیشہ کے لیے جدا کر دیتی ہیں؟ ان مسائل پر کیونکر قابو پایا جاسکتا ہے اور ان کو کم کرتے ہوئے خاندان کے صحیح نظام کو کس طرح اپنی حقیقی صورت میں بحال کیا جاسکتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات کو تلاش کرنا مساجد اور منبر و محراب کے وارثوں کا فرض تھا لیکن انھوں نے اپنی دعوت و تبلیغ کا دائرہ کار یہاں تک نہیں بڑھایا جس کی وجہ سے مساجد کے دعوتی کردار کے بارے میں کئی سوالات جنم لے چکے ہیں۔

ائمہ و خطبا کی تنخواہوں کی کمی اور ان کی دیگر ملازمتوں کے ساتھ وابستگی

امام اور خطیب جس کا کام ہی مسجد میں امامت اور خطابت کے فرائض سر انجام دینا اور لوگوں کو دین سے متعلق دعوت اور رہنمائی کرنا ہے، اگر اس کو زندگی گزارنے کے لیے بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے مناسب معاوضہ نہ دیا جائے تو وہ مالی اعتبار سے احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کی توجہ دین کی خدمت پر اس طرح مرتکز نہیں ہو پاتی ہے جس طرح ہونی چاہیے۔ اس مسئلہ کی نزاکت کی طرف کئی لوگوں نے متولیان مساجد اور حکومت کی توجہ مبذول کروانے کی کوشش کی ہے[1]۔

اس پر مستزاد یہ بھی ہے کہ معاشی مسئلے میں گرفتار شخص ذہنی طور پر اس مضبوطی کا مظاہرہ کرنے سے قاصر رہتا ہے جو دعوت و تبلیغ کے لیے مطلوب ہے۔ داعی کے اوصاف کے بارے میں اہلِ علم نے متعدد کتب تحریر کی ہیں لیکن ان کتب میں ائمہ اور داعیان کی اقتصادی بہتری کے حوالے سے تاحال واضح پالیسی سامنے نہیں آسکی ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے کہ مسجد میں تبلیغ و دعوت کے فرائض سر انجام دینے والے داعی اور مبلغ کو تمام تر معاشی مسائل سے آزادی حاصل ہو تا کہ وہ تن دہی اور پورے جذبے کے ساتھ دعوت دین کا مشن چلائے۔ اس ضمن میں جہاں حکومت کو خاطر خواہ اقدامات کرنے کی ضرورت ہے وہاں معاشرے کو بھی اپنے حصے کا کردار ادا کرنے کے بارے میں آگاہ کرنا چاہیے۔

Accessed:12/10/2018

[1] دیکھیے: سید عدیل احمد گیلانی، آئمہ مساجد کا ناگفتہ بہ معاشی منظر نامہ، آن لائن اشاعت (دلیل ڈاٹ کام)
https://daleel.pk/2018/02/12/76068
accessed:20/10/2018

شر کے ذرائع و وسائل کی خیر کے ذرائع سے زیادہ طاقت و تاثیر

اس وقت دنیا بھر میں موجود فتنوں کی ترویج و اشاعت پر اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کی جاتی ہے۔ برائی کے اڈوں کو لوگوں کی نظروں میں پرکشش بنانے کے لیے نت نئے طریقے اختیار کیے جا رہے ہیں۔ شر کے پیچھے بھاری سرمایہ کاری کر کے اس کے ذرائع کو مسجد سے زیادہ طاقت ور بنایا جا چکا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ وطنِ عزیز پاکستان میں اس وقت اعلیٰ پائے کے سینما گھروں کی تعمیر کا کام زور و شور سے جاری ہے۔ اس وقت پاکستان میں 154 اضلاع ہیں [1] اور ایکسپریس ٹرائبیون کے مطابق ان اضلاع میں فحاشی و عریانی پھیلانے والے اعلیٰ سرمایہ کاری کے بعد تعمیر کیے جانے والے سینما گھروں کی تعداد 385 ہے [2]۔ ان سینماؤں کے علاوہ پاکستان میں کیبل پر چلنے والے ٹی وی چینلوں پر بھی فحش پروگرام نشر کیے جا رہے ہیں جس سے قوم کی اخلاقی حالت ناگفتہ بہ ہو چکی ہے۔

مساجد کے دعوتی کردار میں فحاشی کے یہ اڈے بھی ایک ایسی رکاوٹ ہے جس کو ہٹانے کے لیے مذہبی طبقے کی جانب سے تاحال کوئی قانونی یا سیاسی کوشش سامنے نہیں آ سکی ہے۔ نیز ان اڈوں کا انتظام و انصرام سخت متمول اور سیاسی و معاشرتی اعتبار سے مضبوط لوگوں کے اختیار میں ہے۔ مذہبی طبقہ ان کے مقابلے میں مساوی قوت کا حامل نہیں ہے جس کے سبب مسجد کے تبلیغی و دعوتی مقام و مرتبے پر واضح فرق مرتب ہو چکا ہے۔

مساجد کا نظام غیر تبلیغی

آخری اور اہم سبب یہ ہے کہ محکمہ اوقاف کی مساجد کے ڈھانچے اس انداز میں بنائے ہی نہیں گئے ہیں کہ ان کو مؤثر تبلیغ کے لیے استعمال کیا جا سکتے۔ ان کے نقشے اور ان کے خد و خال دیگر روایتی مساجد کی طرح کے ہیں جن میں نمازوں اور جمعہ کے لیے تو لوگ جمع ہوتے ہیں لیکن دعوت و تبلیغ کے لیے اجتماع کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ بعض مساجد میں کسی بھی دعوتی سرگرمی کے انعقاد کے لیے پہلے انتظامیہ کے متعدد لوگوں سے اجازت لینے کا عمل اور پھر پروگرام کے لیے بجٹ کے مختص

[1] "Dividing governance: Three new districts notified in G-B - The Express Tribune". The Express Tribune. 26 July 2015. Retrieved 5 April 2019.

[2] The express tribune, May 3, 2010
https://tribune.com.pk/story/10430/the-sorry-state-of-cinemas-in-pakistan/
accessed:01/03/2019

کرنے کا عمل پیچیدہ ہو چکا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ایسا کوئی اجلاس منعقد نہیں ہوتا جو ماہانہ یا سالانہ بنیادوں پر دعوتی پروگراموں کی منصوبہ سازی کرنے میں معاون ثابت ہو سکے۔ اپنے طور پر مسجد کے ائمہ اور خطباء بعض اوقات دروسِ قرآن کا اہتمام تو کر لیتے ہیں لیکن ان کو مستقل بنیادوں پر منعقد کرنے کے حوالے سے ابھی تک کوئی پالیسی تشکیل نہیں دی جا سکی ہے۔

فصل دوم: تربیتی کردار میں حائل رکاوٹیں

مسجد کے تربیتی کردار میں وہ تمام رکاوٹیں حائل ہیں جو مسجد کے تبلیغی کردار میں حائل ہیں۔ اس لیے جب مسجد کے تبلیغی کردار میں حائل رکاوٹوں کا سدباب کر دیا جائے گا تو مسجد کے تربیتی کردار کے حوالے سے کئی مسائل خود ہی دم توڑ جائیں گے۔ ان رکاوٹوں اور مسائل کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے مسائل بھی ہیں جو تربیتی حوالے سے مسجد کے کردار کو درپیش ہیں۔ اس فصل میں ان مسائل کو بیان کیا جائے گا۔

الحاد

جوں جوں وقت آگے جارہا ہے توں توں مذہب، خواہ وہ کوئی بھی ہو، لوگوں کی نظر میں کم اہم ہوتا جارہا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے بڑھتے ہوئے بلاخیز سیلاب نے لوگوں کو علت اور معلول کے فلسفے کا اس قدر مضبوطی کے ساتھ پیروکار بنادیا ہے کہ اب ہر تصور اور نظریے کا مذاق اڑانے میں کوئی تامل نہیں دکھایا جارہا جس کا تعلق عقیدے یا کسی بھی مابعد الطبیعاتی موضوع کے ساتھ ہو۔ اس ضمن میں ایک مشکل یہ درپیش ہے کہ دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ الحاد کی گود میں جاکر ایک طاقت ور گروہ کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے جب کہ دوسری جانب مذاہب آپس میں دست و گریبان ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ ایک ہی مذہب کے اندر مختلف مسالک اور مکاتب فکر باہم گتھم گتھا ہے۔ اس جنگ کا اثر براہ راست مسجد کے تربیتی کردار پر بھی پڑا ہے۔ اب لوگ مسجد کی طرف سے آنے والی ہر دعوت کو، خواہ وہ کسی بھی موضوع یا حوالے سے متعلق ہو، کو یہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اس دعوت کا مرجع دین ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ سرکاری مساجد کی تبلیغی سرگرمیاں زیادہ کمزور ہونے کی بناپر اپنا اثر کھو رہی ہیں۔

محکمہ اوقاف کی مساجد اس الحاد کے زور کو کم کرنے میں زیادہ بہتر انداز میں کام کر سکتی ہیں کیونکہ ان کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری حکومت پاکستان پر عائد ہوتی ہے اور حکومت پر پاکستان کا آئین زور دیتا ہے کہ وہ جو بھی قانون سازی کریں اور جو بھی آئینی قدم اٹھائیں وہ ضرور قرآن و سنت کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے بنائیں۔ اس ضمن مین حکومت پاکستان کو چاہیے کہ وہ محکمہ اوقاف کی لائبریریوں میں وہ تمام کتب مہیا کرے جو الحاد کے حوالے سے فکری محاذ پر داعیان کو اہم معلومات فراہم کرے تاکہ وہ بہتر انداز میں اس طوفان بدتمیزی کو روک سکے۔ یہ فریضہ اس اعتبار سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ ملحدین

کی جانب سے سماجی رابطے کی ویب سائٹوں پر مساجد کی تعمیر کے حوالے سے منفی پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ کچھ اس طرح کے نعرے لکھے جاتے ہیں کہ مسجد میں ایک بوری سیمنٹ دینے سے بہتر ہے کہ کسی غریب کو بیس کلو آٹا دے دو۔ یہ نعرے بادی النظر میں تو غریبوں کی ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا مقصد مسجد کے تقدس کو پامال کرنا ہوتا ہے۔ اگر مساجد کے ذمہ داران ملحدین اور زنادقہ کے بارے میں علمی ہتھیاروں سے لیس ہوں تو نہ صرف مساجد میں تبلیغی اعتبار سے مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں بلکہ مسجد کے تربیتی کردار کو مسجد کے احاطے سے باہر لے جا کر سوشل میڈیا تک بھی مؤثر بنا سکتے ہیں تاکہ اس نسل کی فکری تربیت کے لیے میسر ہر ایک موقع سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

تربیتی سرگرمیوں کا فقدان

نبی اکرم ﷺ کی سنت و سیرت میں ہمیں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں جہادی مشقوں کا مظاہرہ کیا جاتا تھا، مسجد میں عوامی مسائل کے بارے میں فیصلے صادر کیے جاتے تھے اور مسجد میں صحابہ کرام اکٹھے ہو کر مختلف مسائل و امور کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے تھے۔ ان سب سرگرمیوں کا مقصد مسلمانوں کی تربیت کرنا اور ان کو ایک ایسے نظام حیات سے متعارف کروانا تھا جس کو اپنا کر زندگی کے جملہ مسائل کا حل معلوم کیا جا سکتا ہو۔

مسجد میں ایسی تربیتی سرگرمیوں کا انعقاد محکمہ اوقاف کی مساجد میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسلام آباد میں موجود محکمہ اوقاف کی مساجد کا سروے کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں محض نماز پنجگانہ اور کبھی کبھار دروس قرآن کے اہتمام کے علاوہ عملی اعتبار سے کچھ بھی عمل میں نہیں آ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسجد کے بارے میں عوامی شعور محض یہی رہ چکا ہے کہ یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں نماز کے اوقات کے علاوہ دروازے مقفل ہی ملتے ہیں۔

روزنامہ پاکستان کے کالم نگار حافظ عبد الرقیب لکھتے ہیں کہ:

"اسلامی معاشرے میں مسجد کا مقام انسانی جسم میں دل کے مقام کی طرح ہے۔ جسم میں اس وقت تک جان باقی رہتی ہے جب تک دل متحرک رہتا ہے اور جوں ہی دل کی حرکت بند ہوتی ہے، انسانی جسم بے حرکت

اور مردہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مسجد میں اگر عملی و اصلاحی سرگرمیاں چلتی رہیں تو اسلامی معاشرہ بھی خیر اور بھلائی کے کاموں کے لیے متحرک اور فعال کردار ادا کرنے کے قابل رہتا ہے[1]"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف ڈیزائن اور نقشے کے حوالے سے مسجد پر محنت اور انفاق ضروری ہے بلکہ اس مسجد کو ایک مفید اور نفع بخش مرکز بنانے کے بارے میں بھی سخت محنت کی ضرورت ہے۔

معاشرتی مسائل سے اغماض

پیچھے ایسی مثالیں گزر چکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کو عہد نبوی میں ایک ایسے ادارے کے طور پر تشکیل دیا گیا تھا جس میں صرف عبادت و ریاضت ہی نہیں بلکہ معاشرتی فلاح و بہبود کے حوالے سے بھی بہت کام کیا جاتا تھا۔ لوگ مسجد میں اپنے مسائل نبی ﷺ کے سامنے آ کر بیان کرتے اور آپ ﷺ ان کا حل پیش کرتے۔ اس کی ایک مثال وہ معروف حدیث ہے جس کے مطابق نبی ﷺ ایک مرتبہ مسجد کے منبر پر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ وہ شخص تباہ و برباد ہو جائے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ آپ کا اشاری کس شخص کی طرف ہے۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ:

((من أدرك أبوَيه الكبرُ عندَه أو أحدَهما فلم يُدخِلاه الجنَّةَ))[2]

ترجمہ: وہ شخص جس نے اپنے بوڑھے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو پایا اور ان دونوں نے اس کو جنت میں داخل نہ کیا۔

والدین کی اہمیت پر زور دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکا دکا واقعہ کے علاوہ ہمیں عہد نبوی ﷺ یا عہد خلفاء میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی ہے، جس میں والدین کی نافرمانی یا ان کے ساتھ ظلم و زیادتی والا کوئی سلوک کیا گیا ہو۔ اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ مسجد میں آنے والے کی روحانی، خاندانی اور معاشرتی تربیت کا خاطر خواہ انتظام موجود تھا۔ جب کہ عصر حاضر میں معاشرتی

---

[1] حافظ عبد الرقیب، مسجد: مرکزِ عبادت، تربیت اور خدمت۔ روزنامہ پاکستان، لاہور، 19 جولائی 2019

2 محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى: 1420)، صحيح الترغيب والترهيب، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض المملكة العربية السعودية، الطبعة: الأولى، 1421ه - 2000 م، كتاب البر والصلة وغيرهما، الترغيب في برّ الوالدين وصلتهما، وتأكيد طاعتهما والإحسان إليهما، وبرّ أصدقائهما من بعدهما. ص: 2/2494، حدیث نمبر 2492

موضوعات سے علماء کے خطبات خالی نظر آتے ہیں جس کے نتیجے میں مساجد کی تعداد بڑھ جانے کے باوجود خاندانی زندگی زوال کا شکار ہے اور والدین کے ساتھ ہونے والی زیادتیاں اور نافرمانیاں بڑھتی جارہی ہیں۔

محکمہ اوقاف کی مساجد میں مقرر کیے گئے ائمہ اور خطباء کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ ان مساجد میں آکر نمازیں پڑھنے اور عبادات کرنے والے افراد کی تربیت کا حق ادا کرنے کے لیے معاشرتی مسائل کو اپنی تقریروں اور اپنے دروس کا حصہ بناتے لیکن اس حوالے سے کوئی بھی سنجیدہ کوشش سامنے نہیں آسکتی ہے۔

وہ کام جو مساجد میں تربیتی نقطہ نظر سے ائمہ اور خطباء نے کرنا تھا اب وہ کام موٹیویشنل سپیکرز کر رہے ہیں۔ مختلف ناموں سے اپنے اداروں کو رجسٹر کروا کر یہ موٹیویشنل سپیکرز ہر شہر اور ہر تحصیل میں تربیتی سیمینارز کا انعقاد کرتے ہیں اور لوگوں سے بھاری رقوم فیس کے نام پر وصول کرتے ہیں جس کے نتیجے میں لوگ اس گمان کے ساتھ ان سیمینارز میں شرکت کرتے ہیں کہ یہاں ان کو اپنے خاندانی اور معاشرتی مسائل کا حل ملے گا۔ آئے روز سماجی رابطے کی ویب سائٹوں، اخبارات اور ٹی وی چینلوں پر موٹیویشنل سپیکرز کے پروگراموں کے اشتہارات دیکھے جاسکتے ہیں جن میں شریک ہونے کے لیے مخصوص رقم بھی بطور فیس لکھی گئی ہوتی ہے، مزید یہ کہ ان موٹیویشنل سپیکرز کو معاشرے نے بطور مصلحین تسلیم کیا ہے۔

حکومت کے پاس وسائل موجود ہیں اس لیے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ محکمہ اوقاف اپنے علماء کو ان موضوعات کے بارے میں مواد فراہم کرتا جو معاشرتی مسائل کے بارے میں شعوری بیداری پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا حل پیش کرنے کی طرف بھی لوگوں کو لائے۔ اس میں اخراجات کا بھی کچھ مسئلہ نہیں تھا۔ محض مطالعہ کرنے اور پروگراموں کا انعقاد کرنے کی ذمہ داری خطباء کو سونپ دی جاتی تو وہی کام جو موٹیویشنل سپیکرز کر رہے ہیں، محکمہ اوقاف کی مساجد کے ائمہ و خطباء کرتے ہوئے نظر آتے۔

موٹیویشنل سپیکرز کے لیکچرز کا بنیادی مقصد ذہنی دباؤ اور دیگر نفسیاتی امراض سے لوگوں کو نکال کر امید کے ماحول میں لاکھڑا کرنا ہے۔ یہ ایک ایسا کام ہے جس کو مذہبی تعلیمات کے ذریعے زیادہ بہتر انداز میں کیا جاسکتا ہے کیونکہ دلی سکون اور دماغی سکھ کا تعلق روحانیت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾[1]

ترجمہ: جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں۔ خبر دار اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اس ضمن میں یورپ کے مسیحی معاشرے کی ایک مثال دینا یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے جہاں اول تو شادیاں کی ہی نہیں جاتی ہیں اور لوگ شادیاں کرتے ہیں تو بھی ان کی شادیاں طلاق پر منتج ہو جاتی ہیں۔ اپنے معاشرے کی اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے وہاں کے ایک پادری ڈاکٹر ایمرسن نے چرچ میں لوگوں کی میرج کونسلنگ کرنا شروع کی اور ہزاروں کی تعداد میں ٹوٹنے والے گھروں کو بچالیا۔ اس نے تقریباً تیس سال یہ کام کرنے کے بعد اپنے تجربات کی روشنی میں 324 صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کا نام "Love & Respect" رکھا۔ چنانچہ اسی طرح کے مسائل اور مصائب کو سامنے رکھتے ہوئے اگر محکمہ او قاف کی مساجد کے ائمہ و خطباء کو بھی سماجی، خاندانی، تعلیمی، سیاسی، معاشی اور دیگر مسائل کے حوالے سے تیار کیا جائے تو اس کے بدلے میں کئی گھرانے، کاروبار، ادارے اور لوگ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے سے بچ سکتے ہیں۔

مسجد اور معاشرے کے مابین خلا

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن انسانوں کی اصلاح و تربیت کے لیے نازل فرمایا ہے اور اس کی تعلیم و تدریس کا اولین مرکز مسجد ہے۔ اگر مسجد اور معاشرے کے درمیان تعلق مضبوط ہو گا تو ہی معاشرے کے افراد کی تربیت میں مسجد اپنا بہتر کردار سامنے لا سکے گی۔ چنانچہ یہ انتہائی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں صرف افراد کی اصلاح کا فریضہ سرانجام نہ دیا جائے بلکہ مسجد میں مصلحین کو تیار کرنے کا کام کیا جائے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس ضمن میں ہمارے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جب بنی اسرائیل کی اصلاح و تربیت کے لیے مبعوث فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انہیں ہارون علیہ السلام کی رفاقت عنایت کی جائے تاکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے کام میں مضبوطی کا باعث بن سکیں[2]۔

---

[1] سورۃ الرعد:28

[2] سورۃ طہ:29تا35

عوامی رابطہ اور معاشرے کے ساتھ تعلق کا مضبوط ہونا کیوں ضروری ہے؟اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ عوام کی دینی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں آئیں۔اگر عوام کو مسجد میں لانا ہے تو اس کے لیے عوام کے اندر موجود اہم افراد کا مسجد کے ساتھ رابطہ اور تعلق استوار ہونا لازم ہے کیونکہ نیک انسان جس مجلس میں ہو وہ اسی مجلس کے لوگوں کے اطوار پر اثر انداز ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے افراد کا کردار بھی متاثر ہوتا ہے۔نیک شخصیت اپنے ہم مجلس افراد کو بھی اپنے ہمراہ مسجد کی طرف لانے کا فریضہ سر انجام دے گی۔یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو ان کا رفیق بنا دیا جائے تب انھوں نے اس کا سبب بھی بتا دیا کہ ہارون علیہ السلام زبان دانی کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہیں[1]۔

محکمہ اوقاف کی مساجد میں یہ کمی محسوس کی گئی ہے کہ وہ معاشرے سے بری طرح کٹ چکی ہیں۔مقالہ نگار نے جب اس مقالے کے لیے اعداد و شمار اور معلومات جمع کرنے کے لیے مساجد کے سروے کیے(جن کی تفصیل اسی مقالہ میں موجود ہے)تو اس اذیت ناک حقیقت کا شدت کے ساتھ احساس ہوا کہ ان مساجد کے ائمہ امامت کو محض ملازمت سمجھ کر سر انجام دے رہے ہیں اور ان کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ معاشرے کے کتنے افراد مسجد میں آرہے ہیں؟ور کتنے لوگ عبادت و تربیت کی سعادت سے محروم ہیں؟خدمت دین کے جذبے اور احساس کا یہ فقدان بھی مسجد کے تربیتی کردار کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔اس کے برعکس نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے مسجد میں آنے والے افراد کو توجہ دینے کا پتہ لگتا ہے۔صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت آپ ﷺ اپنی سرخ چادر پر ٹیک لگائے مسجد میں تشریف فرما تھے تو میں نے عرض کیا"یا رسول اللہ!انی جئت اطلب العلم"میں علم حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں۔آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا"مرحبا بطالب العلم!ان طالب العلم لتحفه الملائکة باجنحتها"طالب علم کو خوش آمدید!یقینا طالب علم کو فرشتے اپنے پروں سے

[1] سورۃ القصص:34

گھیر لیتے ہیں، پھر وہ ایک دوسرے پر سوار ہوتے ہوئے آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہ یہ سب کچھ اس کے مطلوب (علم) کی بنا پر کرتے ہیں[1]

اسالیبِ تربیت کی کمزوری

مذکورہ بالا رکاوٹوں کو عبور کر کے اگر محکمہ اوقاف کی مساجد میں تربیتی اعتبار سے کبھی کسی سرگرمی کا امکان سامنے آ بھی جائے تو سب سے بڑا سوال یہی کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس سرگرمی میں تعلیم و تربیت کے لیے کون سا اسلوب اختیار کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ کی سنت سے اس حوالے سے رہنمائی لی جا سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے کئی قسم کے اسالیب تربیت اختیار فرمائے جن میں سوال وجواب کا طریقہ زیادہ تر احادیث میں ملتا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کہ (ایک مرتبہ) ایک آدمی نے مسجد میں کھڑے ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ ہمیں کس جگہ سے احرام باندھنے کا حکم دیتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

((یهل اهل المدینة من ذی الحلیفة، ویهل اهل الشام من الجحفة، ویهل اهل نجد من قرن))[2]

ترجمہ: مدینہ والے ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں، اور اہل شام جحفہ سے اور نجد والے قرن المنازل سے۔

آپ ﷺ نے مسجد میں مطلق وعظ کا طریقہ بھی اختیار کیا۔ اس ضمن میں سینکڑوں احادیث مروی ہیں جن میں آپ ﷺ کے ان ارشادات کا ذکر ہے جو آپ ﷺ نے مسجد میں وعظ کے دوران استعمال فرمائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وعظ

---

[1] مجمع الزوائد، کتاب العلم، باب فی طلب العلم واظهار البشر له، ص:1/131، (قال الهیثمی فی مجمع الزوائد: فیه عبداللہ بن عبدالقدوس التمیمی ضعفه أحمد والجمهور ووثقه ابن حبان وقال ربما أغرب وبقیة رجاله ثقات ص: 9/340)
یہ روایت صحیح ہے۔ ڈاکٹر فضل الٰہی نے اس کی مکمل تخریج و تحقیق نقل کی ہے۔ (ڈاکٹر فضل الٰہی، نبی ﷺ بحثیت معلم، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 2005ء ص:91

[2] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب ذکر العلم والفتیا فی المسجد، ص:1/38، حدیث نمبر 133

میں آپ ﷺ ہاتھوں اور انگلیوں کے ساتھ اشارے بھی کرتے تھے۔ یہ اشارے بعض اوقات چار انگلیوں [1] کے ساتھ اور بعض اوقات دو انگلیوں کے ساتھ کرتے تھے [2]۔ کبھی زمین پر لکیریں کھینچ کر سمجھاتے تھے [3]

بولنے کے دوران آپ ﷺ کی آواز کے اتار چڑھاؤ اور آپ کے چہرے کے تاثرات بھی روایات میں موجود ہیں۔ ان تمام روایات کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے عہد تک دریافت ہو جانے والے تمام طریقہ ہائے تدریس و تعلیم استعمال کیے تھے۔ آپ ﷺ نے ان طریقوں تک محدود رہنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اسوہ حسنہ کو اس نوعیت میں پیش کیا کہ ہر مسلمان معلم اس سے استفادہ کر سکے اور اس میں نئے اضافے بھی کر سکے۔ لہٰذا ہر مسلمان مربی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے عہد تک دریافت ہونے والے تدریسی و تربیتی طریقے اپنائے۔

---

[1] آپ ﷺ نے چار انگلیوں کے اشارے کے ساتھ فرمایا کہ چار قسم کے جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہیں۔ (سنن ابو داؤد، حدیث نمبر 2802)

[2] آپ ﷺ نے دو انگلیوں کو قینچی کی شکل دے کر فرمایا کہ "ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے۔ جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 6026)

آپ ﷺ نے دو انگلیوں کو پھیلاتے ہوئے فرمایا "مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے"۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 6503)

[3] آپ ﷺ نے ایک سیدھی لکیر کھینچ کر فرمایا کہ یہ صراط مستقیم ہے۔ پھر اس کے ساتھ مزید کئی راستے بنائے اور فرمایا "یہ جدا راہیں ہیں۔ ان میں سے ہر راہ پر شیطان بلا رہا ہے"۔ (مسند احمد بن حنبل، ص 7/414 (الشیخ احمد شاکر نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ المسند، ص: 6/89)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک مربع شکل بنائی اور اس کے درمیان ایک خط کھینچا جو اس سے نکلا ہوا تھا اور اس کے بعد اس مربع شکل کے درمیانی خط کی طرف چھوٹے چھوٹے خطوط کھینچے۔

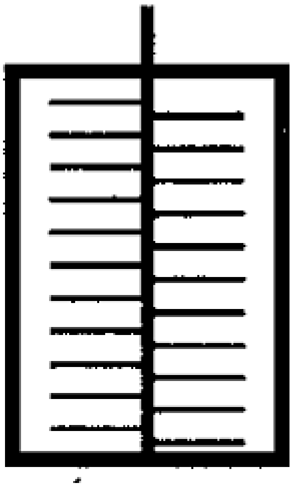

اور فرمایا "یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت اس کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ باہر نکلا ہوا خط انسان کی آرزو ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے خطوط اس کے مصائب ہیں۔ اگر وہ ایک سے بچ نکلتا ہے تو دوسری میں پھنس جاتا ہے اور دوسری سے نکلتا ہے تو تیسری میں پھنس جاتا ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 4617)

اس کے برعکس محکمہ اوقاف کی مساجد میں جب کوئی تربیتی پروگرام منعقد ہو تو اس کا دائرہ کار محض وعظ و نصیحت تک محدود رہتا ہے۔ وعظ و نصیحت ایسا اسلوب تربیت تو خطبہ جمعہ اور درسِ قرآن میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں ایک سے بڑھ کر ایک طریقہ دریافت ہو چکا ہے۔ عام تربیتی سیمیناروں میں بھی اب ملٹی میڈیا کا استعمال ہوتا ہے۔ لوگ آڈیو اور ویڈیو مواد کا استعمال کرتے ہوئے اپنی بات دوسروں تک پہنچاتے ہیں جس سے پیغام رسانی بہتر انداز میں ہو سکتی ہے لیکن ہمارے ہاں مساجد میں منعقد ہونے والی تربیتی ورک شاپوں میں ایسا کوئی بھی معاصر طریقہ اختیار نہیں کیا جا رہا ہے۔

تربیتی عمل کے دوران سرگرمیوں کا انعقاد لازم ہے۔ محکمہ اوقاف کی کسی ایک مسجد میں بھی (سروے کی معلومات کے مطابق) کبھی بھی کسی بھی پروگرام میں عملی سرگرمیوں کا انعقاد نہیں کیا گیا ہے۔ بچوں کو پڑھانے والے قراء حضرات ان کو نماز سکھانے کے وقت عملی طور پر سرگرمیوں کا انعقاد ضرور کرتے ہیں لیکن بڑی عمر کے بعض لوگ جنہیں وضو اور نماز صحیح طریقے سے معلوم نہیں ہیں ان کی تربیت کے لیے الگ سے کوئی پروگرام شروع نہیں کیا گیا ہے۔

فصل سوم: عوام اور مسجد کے تعلق میں حائل رکاوٹیں

نمازوں میں سستی

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نمازوں میں سستی مسجد اور معاشرے کے تعلق میں رکاوٹ نہیں بلکہ اس تعلق کی کمزوری کی نشانی ہے۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو یہ سستی علامت کے ساتھ ساتھ سبب بھی ہے۔ کیونکہ مسلمان اور غیر مسلم کے مابین بنیادی فرق یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی عبادت گزاری میں اپنا کردار مکمل دیانت داری اور خود احتسابی کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا پہلا کڑا نماز باجماعت کی ادائیگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا بارہا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ نے بھی اس کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾[1]

ترجمہ: پابندی کرو نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی، اور کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے اس حال میں کہ عاجزی اختیار کیے ہوئے ہو۔

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾[2]

ترجمہ: پابندی کرو نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی، اور کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے اس حال میں کہ عاجزی اختیار کیے ہوئے ہو ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت گزار لوگوں کے ساتھ نماز کی باجماعت ادائیگی ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔ جو مسلمان فرد یا جو معاشرہ اس میں سستی یا کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے اس کے اور مسجد کے مابین ایک خلا پیدا ہو جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اس کو بخوبی سمجھتے تھے اس لیے آپ ﷺ نے باجماعت نماز کے لیے مسجد میں آنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا:

---

1 سورۃ البقرہ:238

2 سورۃ البقرہ:43

((اعظم الناس اجرا فی الصلاۃ ابعدھم فابعدھم ممشی، والذی ینتظر الصلاۃ حتی یصلیھا مع الإمام اعظم اجرا من الذی یصلی ثم ینام))[1]

ترجمہ: نماز میں ثواب کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر وہ شخص ہوتا ہے، جو (مسجد میں نماز کے لیے) زیادہ سے زیادہ دور سے آئے اور جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے اور پھر امام کے ساتھ پڑھتا ہے اس شخص سے اجر میں بڑھ کر ہے جو (پہلے ہی) پڑھ کر سو جائے۔

صرف یہیں پر بس نہیں بلکہ نماز باجماعت ادا کرنے والے شخص کی نماز کو ثواب اور اللہ تعالیٰ کو خوشنودی کے حوالے تنہا نماز ادا کرنے والوں سے زیادہ بہتر قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إن اعظم الناس اجرا فی الصلاۃ ابعدھم إلیھا ممشی، فابعدھم، والذی ینتظر الصلاۃ حتی یصلیھا مع الإمام، اعظم اجرا من الذی یصلیھا))[2]

ترجمہ: "جس کا گھر مسجد سے زیادہ دور ہے۔ اس کا ثواب بھی اتنا ہی زیادہ ہے اور جو نماز کا منتظر ہے کہ امام کے ساتھ پڑھے گا اس کا ثواب بھی اس شخص سے زیادہ ہے کہ پڑھ لی اور سو رہا۔

اس قدر ترغیب اور تاکید سے معمور تعلیمات نبوی کے باوجود مسلمانوں میں نماز باجماعت کا جذبہ بیدار نہ ہو سکا جس کے باعث فرد اور معاشرہ دونوں کا مسجد کے ساتھ تعلق کمزور ہو چکا ہے۔

فرقہ واریت

مسلمانوں میں موجود فرقہ واریت نے صرف ان کے درمیان اصول و فروع کو ہی نہیں بلکہ معاشرے اور مسجد کے تعلقات کو بھی منفی انداز میں متاثر کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ افتراق اور انتشار قوموں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اس کو سمجھنا ذرا بھی پیچیدگی کا باعث نہیں ہے لیکن اس عام فہم بات کو پوری طرح سمجھنے کے باوجود بھی ہمارے ہاں مذہبی فرقہ واریت

1 صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعۃ، ص:1/131، حدیث نمبر 651

2 صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب فضل کثرۃ الخطا إلی المساجد، ص:1/460، حدیث نمبر 662

میں آئے روز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔اس فرقہ واریت کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب کسی بھی مسجد کی تعمیر کرنے کے لیے حکومت نے یہ شرط عائد کرر کھی ہے کہ اس مسجد کو کسی مسلک یا مکتب فکر کے ساتھ مربوط کیا جائے اور اسی صورت میں اس مسجد یا مدرسہ کی تعمیر کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

اس ضمن میں خواجہ محمد کلیم نے "مساجد! رحمت کی فیکٹریاں یا تفرقہ بازی کے گڑھ" کے عنوان سے ایک مکمل آرٹیکل لکھا ہے جس میں انھوں نے مساجد میں تفرقہ بازی کے منفی عنصر پر افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "خاکسار کو بچپن سے جو تعلیم دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ مسجد خدا کا گھر ہے۔لیکن اب حالات یہ ہیں کہ کبھی کبھی میں شدت کے ساتھ یہ بات سوچتا ہوں کہ پاکستان میں جتنی بھی مساجد قائم ہیں کوئی بریلویوں کی ہے کوئی دیوبندیوں کی، کوئی اہلحدیثوں کی تو کوئی اہل تشیع کی، وہ جو رب کا گھر تھا وہ کہیں کھو گیا ہے اور جب سے رب کا گھر کھو گیا ہے مسلمانوں کی عزت و وقار بھی کھو گیا ہے۔ایک مسجد نبوی تھی جس کے منتظم اعلیٰ صلعم نے کشادہ دلی، اعلیٰ ظرفی اور رواداری کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے عیسائی وفد کو مسجد کے اندر ہی بخوشی عبادت کی اجازت دی تھی اور ایک اس منتظم اعلیٰ صلعم کے پیروکار ہیں جو بے معنی اور فروعی اختلافات کے باعث اس قدر انتشار کا شکار ہیں کہ خود دین اسلام کے لئے طعن و تشنیع کا باعث بن چکے ہیں۔سوچتا ہوں کاش کچھ ایسا ہو جائے کہ دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور شیعہ مساجد کا کلچر ختم ہو جائے اور مساجد ایک بار پھر اللہ کے گھر میں بدل جائیں اور پھر اللہ کے بندے بلا تخصیص اللہ کے گھر میں امن و سلامتی پائیں[1]"۔

مساجد میں ہونے والے مذہبی مناظروں اور تفرقہ بازی پر مشتمل خطبات کی بنا پر سادہ لوح اور امن پسند عوام کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ گھروں میں نماز ادا کریں تا کہ کسی بھی بین المسالک تنازع کا حصہ بننے سے محفوظ رہ سکیں۔اس کے علاوہ

1 خواجہ محمد کلیم ، مساجد! رحمت کی فیکٹریاں یا تفرقہ بازی کے گڑھ، آن لائن اشاعت
/https://www.humsub.com.pk/212147/khawaja-kaleem-90
accessed:01/04/2019

عوام کی کوشش ہے کہ وہ ایسی مساجد کا رخ کریں جہاں فرقہ واریت سے پاک ماحول ہو۔ لیکن بد قسمتی سے ایسی مساجد کا ملنا مشکل ہے کیونکہ خود محکمہ اوقاف کی مساجد کو بھی مختلف مکاتبِ فکر کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ محکمہ اوقاف کی مساجد میں 44 مساجد دیوبندی مکتبِ فکر کی ہیں، 40 مساجد بریلوی مکتبِ فکر کی ہیں، 2 مساجد اہل حدیث مکتب فکر کی جب کہ 3 مساجد شیعہ مکتبِ فکر کی ہیں۔ محکمہ اوقاف کی جانب سے فرقہ ورانہ سرگرمیوں کے خلاف سخت پابندی عائد ہے اس کے باوجود اس شرارے کو شعلہ بننے سے روکنا تاحال محال نظر آتا ہے۔

مساجد کا طویل فاصلے پر ہونا

عموماً کاروباری مراکز میں مصروف عمل افراد کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کی دکان یا دفتر کے امور کسی قسم کے تعطل کا شکار نہ ہوں۔ اس لیے وہ لوگ یا تو نماز ادا ہی نہیں کرتے ہیں اور اگر ادا کرنے کی طرف رغبت پیدا ہو جائے تو وہ کوشش کرتے ہیں کہ نماز اپنے پلازے یا دفتر کے اندر ہی ادا کر لی جائے۔ اسلام آباد شہر میں موجود عام مساجد اور محکمہ اوقاف کی مساجد، دونوں کے حوالے سے سروے کے دوران یہ دیکھنے کو ملا ہے کہ مساجد کے مابین فاصلہ زیادہ طویل ہے جس کی وجہ سے مسجد اور معاشرے کے تعلق میں کمزوری پیدا ہو گئی ہے۔

بظاہر یہ مسئلہ اتنا شدید نہیں ہے کہ اس کی بنا پر مسجد اور معاشرہ دونوں میں قطع تعلقی کا کمزور تعلق کا منظر سامنے آئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کے لیے خوش خبری سنائی ہے جو دور سے چل کر مسجد میں آتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں[1] لیکن چونکہ اس وقت مادیت پرستی اور کاروبار کی محبت لوگوں پر دلوں پر قابض ہو چکی ہے اور ان کی نظر میں دین اور ثواب سے زیادہ ان کے اموال زیادہ عزیز ہیں اس لیے یہاں مسئلہ معاشرے اور مسجد کا نہیں بلکہ ایمان کے معیار اور ذہنی آمادگی کا ہے۔ اگر مسجد چند میٹر کے فاصلے پر ہو یا اس میں جا کر نماز ادا کرنے کے لیے ایک آدھ گلی کا سفر کرنا پڑ جائے تو اس میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیے۔ اس حوالے سے مسلمانوں کے اذہان میں شعوری آگاہی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے جمعہ

[1] سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی المشی الی الصلاۃ فی الظلام، ص:1 /154 حدیث نمبر 561، (سكت عنه ،وقد قال في رسالته لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالح)

کی آذان کے بعد کاروبار بند کرنے کا حکم دے رکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مال و متاع اور تجارت و دکان نماز کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[1]

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔

روزمرہ زندگی کے اوقات کار میں بدنظمی

عصر حاضر میں محض دینی علوم سے لاتعلقی اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کا فقدان ہی مسلمانوں میں موجود نہیں ہے بلکہ دنیاوی اعتبار سے بھی ہر فرد پر کام اور وقت کے حوالے سے بدنظمی کا بوجھ موجود ہے۔ افراتفری کا یہ عالم ہے کہ ہر شخص دنیاداری اور اسائش پسندی کے پیچھے مارامارا بھاگ رہاہے جس کی وجہ سے دین سے تو دوری نظر آہی رہی ہے اس کے ساتھ ساتھ دنیاوی کاموں میں بھی زوال نظر آرہاہے۔

اس کے باوجود ذہنی دباؤ اور نفسیاتی مسائل میں اضافہ ہی ہوتا جارہاہے۔ اس پورے منظر نامے میں سب سے زیادہ جس کام کو نظر انداز کیا جارہاہے وہ دینی امور کی انجام دہی ہے۔ مسجد کی طرف رخ کرنے کا خیال تک پیدا نہیں ہورہاہے اور گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں کا مسجد کے ساتھ تعلق ختم ہوتا جارہاہے۔ اس معاشی دوڑ کی کشمکش میں اوقاتِ کار کی تقسیم اگر انتہائی سوچ بچار کے ساتھ کی جائے تو ممکن ہے کہ ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے معاشی ہدف کے حصول کے جنون کے باوجود مسجد میں آنے کے لیے وقت نکالنے کو ممکن بنایا جاسکے گا۔

محکمہ اوقاف کی مساجد اس حوالے سے مزید توجہ کی مستحق ہیں کیونکہ ان کے ائمہ و خطبا اور ان میں مامور دیگر افراد کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ریاست اور دین کے ساتھ خلوص کا ثبوت دیتے ہوئے ایسے ادب کا مطالعہ کریں جس میں وقت کے مفید

[1] سورۃ الجمعۃ:9

استعمال کے حوالے سے رہنمائی موجود ہو اور پھر اس لٹریچر کی روشنی میں مساجد کے اندر ایسے سیمینار منعقد کیے جائیں جن کی مدد سے لوگوں کو وقت کے صحیح استعمال کے بارے میں رہنمائی دی جا سکے۔

خلاصہ باب

باب سوم مسجد کے دعوتی وتربیتی کردار میں حائل رکاوٹوں پر مشتمل ہے۔ اس باب کو مزید تین فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فصل اول میں مسجد کے دعوتی کردار میں حائل رکاوٹوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دعوتی سرگرمیوں میں جہاں معاشرہ کے منفی پہلوؤں کا تعلق ہے وہاں ائمہ وخطباء کرام کی کے افسوس ناک رویوں کو بھی شامل ہیں۔

فصل دوم میں مسجد کے تربیتی کردار میں حائل رکاوٹوں پر بھی بحث کی گئی ہے۔ ان رکاوٹوں میں الحاد، معاشرتی مسائل سے چشم پوشی اور مسجد اور معاشرہ کے درمیان جو ایک خلیج ہے اس کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسجد میں تربیتی سرگرمیاں نہ ہونے یا اسالیب تربیت میں کمزوریوں کی وجہ سے بھی مسجد اور معاشرہ میں دوریاں پیدا ہو گئی ہیں۔

فصل سوم میں ان چیزوں کا جائزہ لیا گیا ہے کہ جو مسجد اور عوام کے درمیان تعلق میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ ان رکاوٹوں میں بعض اسباب کا تعلق ہماری عادتوں اور بعض حالات و واقعات کے پیش نظر ہوتا ہے۔ ان رکاوٹوں میں نمازوں میں سستی، منبر و محراب سے فرقہ واریت کی صدائیں، مساجد کی دوریاں اور روزمرہ زندگی کے اوقات کار میں بدنظمی جیسے مسائل شامل ہیں۔

باب چہارم: اصلاح مساجد کے لئے مجوزہ طریقہ کار

فصل اول: منصب امامت کیلئے معیار کی اہلیت

فصل دوم: ائمہ مساجد کے تقدس کی بحالی

فصل سوم: مسجد اجتماعی فلاح وبہبود کا مرکز

فصل چہارم: اشاعت دین کی نئ جہتیں

فصل اول: منصب امامت کے لیے معیار کی اہلیت

مسلمان معاشرے کے لیے لازم ہے کہ مساجد کے نظام میں اہم مسائل کو فی الفور حل کیا جائے کیونکہ اسلامی معاشرے میں تبلیغی و اصلاحی اعتبار سے مساجد سے زیادہ اہم کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں نہ صرف عبادات اور دیگر معاملات کے بارے میں بہتری کی جانب اٹھنے والے اقدامات کی قیادت کی جاسکتی ہے بلکہ دنیوی معاملات میں بھی اصلاح کا دروازہ کھولا جاسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مساجد اور ان میں خدمات سر انجام دینے والے افراد کے جملہ مسائل کا حل نہ صرف مساجد کے نظام کے لیے مفید ہے بلکہ اسلامی معاشرے کے روحانی کردار میں بھی بہتری پیدا کرنے کا سبب ہے۔اسی اہم اور حساس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے اس باب میں ان اہم امور کی وضاحت کی گئی ہے جن کی مدد سے مسجد کے اصلاحی کردار کو مزید نمایاں کیا جاسکتاہے۔

امامت کی لغوی اور اصطلاحی وضاحت

امامت عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب قیادت کرنا ہے۔یہ کلمہ "زمین کے ٹکڑے" کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کا فرمان ہے کہ:

﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُبِينٍ﴾[1]

ترجمہ: سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا اور بلاشبہ یہ دونوں بڑی شاہراہ پر پڑتی ہیں۔

عربی زبان میں ہر اس شخص کو امام کہا جاتا ہے جس کی اقتدا کی جائے۔اس کی جمع ائمہ ہے[2]۔

نماز میں امام سے مراد ایسا شخص ہے جو نمازیوں سے آگے کھڑا ہوتا ہے اور لوگ نماز کی حرکات میں اس کی اتباع کرتے ہیں[3]۔

---

[1] سورۃ الحجر:79

[2] محمد بن ابو کر بن عبد القادر الرازی، مختار الصحاح، مکتبہ لبنان ناشرون، ص:1/10

[3] ابو حسن احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغۃ، دار النشر، و دار الجیل، طبع دوم، 1420ھ، ص:48

شرعی اصطلاح میں امام کئی مفاہیم میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس کا مخصوص اطلاق مسجد میں نمازوں کی قیادت کرنے پر ہی ہوتا ہے[1]"۔

فقہا کے نزدیک امامت کی دو اقسام ہیں:

1. امامتِ صغریٰ: نماز کی امامت
2. امامت کبریٰ: خلافت، ریاستی امور میں قیادت[2]۔

ہم یہاں امامتِ صغری یعنی مسجد میں نمازوں کی امامت کے حوالے سے بات کریں گے۔

مسجد کے متعلق ایک واضح حکم یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ وقف ہیں، کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی ہیں۔ محض انتظامی حوالے سے ایک فرد یا زیادہ افراد اس سے متعلق کچھ اختیارات کو حاصل کر سکتے ہیں۔ان افراد میں سب سے اہم شخصیت امام کی ہے۔امام کی شخصیت کے ساتھ مسجد کی آبادکاری اور مسجد کی بہتری وابستہ ہے۔اس لیے لازم ہے کہ مسجد میں نمازوں کی امامت کے لیے انتہائی احتیاط کے ساتھ ایسے شخص کو منتخب کیا جائے جو مسجد کے قیام کے جملہ مقاصد کی تکمیل کی اہلیت رکھتا ہو۔

امامت کی اہلیت:خوش الحانی

امام کا کام چونکہ نمازوں میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا ہے، اس لیے جس شخص کا تقرر بطور امام کیا جارہا ہو، اس میں تجوید و قراءت میں مہارت اور آواز کی خوش الحانی کی صلاحیت کو صحیح طریقے سے جانچ لینا چاہیے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

((إذا کانوا ثلاثة،فلیؤمهم احدهم،واحقهم بالإمامة،اقرؤهم))[3]

محمد بن مکرم بن منظور الافریقی، لسان العرب، دار النشر و دار الصادر، بیروت، ص:12 / 25

[1] ابوالحسن علی بن سلیمان المداوی، الانصاف، دار احیاء الحدیث، بیروت، ص:11 / 163

[2] ڈاکٹر ابوحبیب سعدی، القاموس الفقهی لغة واصطلاحا، دار الفکر، دمشق، طبع دوم، 1988، ص:24

[3] صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من أحق بالإمامة، ص:1 / 464، حدیث نمبر672

ترجمہ: جب تین شخص ہوں تو ایک ان میں سے امام ہو جائے اور امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو قرآن زیادہ پڑھا ہو۔

صحابہ کرام میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس صلاحیت سے بدرجہ اتم نوازے گئے تھے اسی لیے ایک مرتبہ نبی ﷺ نے اپنے اہم اصحاب کی تعریفیں کیں تو ان کا ذکر بطورِ خاص کرتے ہوئے فرمایا:

((ارحم امتی بامتی ابو بکر، واشدھم فی امر اللہ عمر ۔۔۔ واقرؤھم ابی بن کعب))[1]

ترجمہ: میری امت میں سب سے زیادہ میری امت پر رحم کرنے والے ابو بکر ہیں اور اللہ کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت عمر ہیں۔۔۔ سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں۔

آپ ﷺ کے صحابی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی قراءت انتہائی خوش الحانی سے معمور تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے ان کی بھی بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ ﷺ نے انہیں بتایا کہ:

((یا ابا موسی، لقد اوتیت مزمارا من مزامیر آل داود))[2]

ترجمہ: اے ابو موسیٰ! تمہیں داؤد علیہ السلام کے باجوں میں سے ایک باجا عطا کر دیا گیا ہے۔

نماز کی امامت اور مسجد روحانی امور کی قیادت کا فریضہ اس امر کا سخت متقاضی ہے کہ ایسا انسان اس عہدے پر سرفراز کیا جائے جو دیگر لوگوں کے مقابلے میں علمی لحاظ سے زیادہ بہتر ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کا زیادہ علم رکھنے والا شخص ہی اس بات کا متحمل ہو سکتا ہے کہ وہ دینی امور میں مسلمانوں کے لیے رہبری کے فرائض بجالائے۔ حدیث میں اس شخص کو امامت کا سب سے زیادہ اہل قرار دیا گیا ہے جس کے پاس قرآن مجید کا زیادہ علم ہو۔ قرآن مجید کی تلاوت تمام نمازوں میں کی جاتی ہے اس

---

[1] سنن ترمذی، أبواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب معاذ بن جبل، وزید بن ثابت، وأبي، وأبي عبیدۃ بن الجراح رضي اللہ عنھم، ص:6/135، حدیث نمبر 3790

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب حسن الصوت بالقراءۃ للقرآن، ص:6/195، حدیث نمبر 5048 (صححہ الالباني في صحیح الترمذي ص:3855)

لیے لازم ہے کہ ایسے شخص کو اس منصب کا اہل سمجھا جائے جو قرآن مجید کی زیادہ سورتوں کا حافظ ہو۔جو شخص حفظ کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر کا فہم بھی رکھتا ہو اس کو حفاظ پر بھی ترجیح دینی چاہیے۔نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إذا كانوا ثلاثة فليؤمهم احدهم واحقهم بالإمامة اقرؤهم))[1]

ترجمہ: تین افراد میں سے ایک فرد کو امام کے فرائض سرانجام دینے چاہئیں۔امامت کا زیادہ حق اس شخص کے پاس ہو گا جس کو قرآن مجید زیادہ یاد ہے۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:

((ليؤذن لكم خياركم،وليؤمكم قراؤكم))[2]

ترجمہ:تم میں سے وہ لوگ اذان دیں جو تم میں بہتر ہوں، اور تمہاری امامت وہ لوگ کریں جو تم میں عالم و قاری ہوں۔

اسلامی ریاست میں خلیفہ یا حکمران کو نماز کی امامت کے فرائض ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔وقت کے حاکم کے لیے ضروری ہے کہ جس طرح وہ روزمرہ زندگی کے امور میں اپنی رعیت کی قیادت کرتا ہے اسی طرح وہ دینی امور اور عبادات میں بھی امامت کے فرائض سرانجام دے۔آپ ﷺ نے ائمہ مساجد کو واضح حکم دیا کہ اگر وہ کسی ایسی مسجد میں موجود ہوں، جہاں حکمران نماز کی امامت کے فرائض سرانجام دینے کے قابل ہو تو اس مسجد میں وہ نماز نہ پڑھائیں بلکہ وقت کے حکمران کو یہ فرضِ منصبی ادا کرنے دیں۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لا يؤم الرجل في سلطانه ولا يجلس على تكرمته إلا بإذنه))[3]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ ، باب من أحق بالإمامة،1 /464،حدیث نمبر672(سکت عنہ وقد قال في رسالتہ لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالح)

[2] سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ ، باب من أحق بالإمامة ،ص:1 /161،حدیث نمبر590

[3] سنن نسائی، کتاب الإمامة، من أحق بالإمامة ص:2 /77،حدیث نمبر780

ترجمہ: کسی بھی شخص کی امامت اس کی حکمرانی والی جگہ میں نہ کی جائے اور اس کی اجازت کے بغیر اس کی نشست پر نہ بیٹھا جائے۔

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ حکمران موجود ہو، اس کی جگہ کی مسجد میں امامت بھی اس کو ہی کرانی چاہیے۔

امامت کی اہلیت: عمر میں بڑا ہونا

اگر دین کے علم میں تمام افراد برابر ہوں تو پھر اس شخص کو امامت کا عہدہ سونپ دینا چاہیے جو عمر میں دوسروں سے زیادہ بڑا ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے اس حوالے سے فرمایا:

((یؤم القوم اقرؤهم لکتاب الله فإن کانوا فی القراءة سواء فاقدمهم فی الهجرة فإن کانوا فی الهجرة سواء فاعلمهم بالسنة فإن کانوا فی السنة سواء فاقدمهم سنا ولا تؤم الرجل فی سلطانه ولا تقعد علی تکرمته إلا ان یأذن لك))[1]

ترجمہ: لوگوں کا امام وہ شخص بنے جس کو کتاب اللہ کا سب سے زیادہ علم و فہم حاصل ہو۔ وہ سب سے اچھا قاری ہو۔ اگر اس قابلیت میں سب لوگ برابر ہوں تو وہ شخص امام بنے جس نے سب سے پہلے ہجرت کی ہو۔ ہجرت کے معاملے میں بھی اگر سب برابر ہو جائیں تو وہ شخص امامت کا اہل ہو گا جس کے پاس سنت کا سب سے زیادہ علم ہو گا۔ اگر سنت کے علم میں بھی سب لوگ برابر ہوں تو ایسے شخص کو امام بنایا جائے جو عمر میں سب سے زیادہ بڑا ہو۔

صحابہ کرام کی زندگی میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جن کی مدد سے امام کے تقرر کے بارے میں اسلامی اصول و ضوابط کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ حضرت مالک بن حویرث اور ان کا ایک ساتھی ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ غالبا وہ کسی سفر پر جانے کا ارادہ رکھتے تھے اور آپ ﷺ سے نصائح سننے کی غرض سے حاضر ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب من أحق بالإمامۃ، 1/ 464، حدیث نمبر 673

((إذا سافرتما فأذنا وأقيما وليؤمكما أكبركما))[1]

ترجمہ: سفر کے دوران تم دونوں نماز کا وقت پالو تو تمہیں چاہیے کہ آذان کہو، پھر اقامت کہو اور اس کے بعد تم دونوں میں سے وہ شخص امامت کرے جو عمر میں بڑا ہے۔

بڑی عمر کے شخص کو امام بنانے میں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ اس نے چونکہ دنیا اور دنیا کے معاملات کے زیادہ تجربات اور مشاہدے کر رکھے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کی سوجھ بوجھ اور فہم و فراست عام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ عمر میں چھوٹے ہونے کے اعتبار سے اس کی عزت اور اس کے اکرام کے مکلف ہوتے ہیں اور نیکی کے کاموں میں اس کی نصیحتوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے خود بھی بڑی عمر کے لوگوں کے احترام کا حکم صادر فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کا ادب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے

((من لم يرحم صغيرنا، ويعرف حق كبيرنا، فليس منا))[2]

بزرگ انسان کی دعا جلدی قبول ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے سفید بالوں کی عزت کرتے ہوئے اس کی دعا کو دیگر لوگوں کی نسبت جلد قبول کرتے ہیں۔ بزرگ آدمی اپنی زندگی کے بعد وفات کو زیادہ قریب دیکھتا ہے اس لیے اس کے دل میں خوفِ خدا دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ وہ زیادہ خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے اور تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر کھڑا ہو کر دینی معاملات میں لوگوں کی بہتر رہنمائی کرتا ہے۔

مذکورہ روایات میں عمر میں بڑے شخص کی امامت کو ترجیح دی گئی ہے لیکن اس کا قطعا یہ مطلب نہیں ہے کہ چھوٹی عمر کا شخص امام نہیں بن سکتا ہے۔ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر چھوٹی عمر کے فرد کے پاس قرآن مجید کا علم بڑی عمر کے افراد سے زیادہ ہو تو اس صورت میں چھوٹی عمر کے فرد کو امام بنانا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ کے عہد میں عمرو بن سلمہ جرمی رضی اللہ عنہ کو آٹھ برس کی عمر میں امام بنا دیا گیا تھا کیونکہ اپنے قبیلے میں قرآن کی قراءت کا سب سے زیادہ علم ان کے پاس تھا۔

---

[1] سنن نسائی، کتاب الإمامة، من أحق بالإمامة ص:2/77، حدیث نمبر 782، (صححہ الالبانی)

[2] ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، الادب المفرد، کتاب الاکابر، باب فضل الکبیر، حدیث نمبر 353

ان کے گاؤں کے قریب سے صحابہ کرام کے قافلے گزرتے ہوئے قیام کرتے تھے۔ جب قافلے قیام کرتے تو وہ ان قافلوں کی قیام گاہ میں جا کر صحابہ کرام سے قرآن کریم سیکھا کرتے تھے[1]۔

امامت کی اہلیت: جسمانی صحت و تندرستی

عصرِ حاضر میں ایک قابلِ افسوس مقام یہ بھی ہے کہ کئی علاقوں میں خاندان کے اس بچے کو دینی تعلیم کے لیے وقف کیا جاتا ہے جو جسمانی طور پر معذور ہو۔ اس صورت میں حفظ قرآن کے بعد اس کو امامت کے فرائض سونپ دیے جاتے ہیں۔ معذور افراد کے لیے تعلیم و تعلم کی سہولیات مہیا کرنا ایک نیک اور بہتر عمل ہے لیکن یہاں تشویش ناک امر یہ ہے کہ جسمانی اور ذہنی طور پر تندرست اور صحت مند افراد کو دینی تعلیم سے دور رکھ کر محض معذوروں کے ذریعے امورِ مساجد کی انجام دہی کی جانب راغب ہونا اچھا عمل نہیں ہے۔ معاشرے کے سمجھ دار افراد کو چاہیے کہ وہ تعلیمی نظام سے متعلق ایسی حکمتیں تشکیل دیں جن کے مطابق صحت مند اور جسمانی طور پر چاک و چوبند افراد دینی قیادت کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو کمزور مومن اور صحت مند و طاقت ور مومن میں سے زیادہ پسند صحت مند مومن ہے[2]۔

اس لیے لازم ہے کہ صحت و چستی اور فعالیت کے مالک شخص کو امامت کا عہدہ دیا جائے۔ یہ کوئی شرعی قانون نہیں ہے ،بلکہ ترجیحی اصول اور مستحسن عمل ہے۔ اگر ایسا کوئی شخص میسر نہ ہو جو صحت و تندرستی کے ساتھ ساتھ علمِ دین میں سب پر برتری رکھتا ہو، اس صورت میں کسی ایسے معذور شخص کو امامت کی ذمہ داری دی جاسکتی ہے جو قرآن مجید کا زیادہ علم رکھتا ہو۔ نبی

---

[1] سنن نسائی، کتاب الإمامة، قیام الناس إذا رأوا الإمام، ص:2/ 81، حدیث نمبر 790، (صحہ الالبانی)
ایک روایت کے مطابق امامت کے وقت ان کی عمر 7 برس تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی قراءت کا علم اگر بچے کے پاس زیادہ ہو تو اس کو غیر مکلف ہونے کے باوجود امام بنایا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید یا مجموعہ احادیث میں اس سے متعارض کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ ایک موقف یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے لوگوں نے ان کو اجتہاد کی بنیاد پر امام بنایا تھا۔ ان کو امام بناتے وقت نبی ﷺ کو اس کی خبر نہیں دی تھی۔ یہ موقف صحیح نہیں ہے کیونکہ اس وقت وحی کا سلسلہ ابھی جاری تھی۔ اگر یہ عمل غلط ہوتا اور شریعت کی رو سے جائز نہ ہوتا تو یقینا نبی ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع کی جاتی اور اس سے منع کیا جاتا لیکن آپ ﷺ کو ایسی کوئی اطلاع نہیں کی گئی اور نہ ہی آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا تھا۔

[2] صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب فضل الجلوس فی مصلاہ بعد الصبح، وفضل المساجد، ص:1/ 464، حدیث نمبر: 671

اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک نابینا صحابی عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو اپنے قبیلے میں امامت کے فرائض سرانجام دینے کی ذمہ داری دی گئی تھی[1]۔

خود نبی اکرم ﷺ جب سفر پر جاتے تو اپنے پیچھے نماز کے لیے حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا کر جاتے تھے۔ عبد اللہ بن ام مکتوم ایک نابینا صحابی تھے[2]۔

اگر کوئی معذور امام مل جائے جو علمی اور فکری معیار پر پورا اتر کر امامت کے فرائض سرانجام دینے کا اہل ہو تو محکمہ اوقاف کی انتظامیہ کو چاہیے کہ اس کا تقرر کر دیا جائے لیکن اس کے علاج معالجے کا بھی بندوبست کیا جائے۔ اگر سرکاری فنڈ میں سے کچھ رقم ان ائمہ کے علاج کے لیے خرچ کی جائے تو یقیناً بہت سے ائمہ صحت یاب ہو کر دینی اور دنیاوی اعتبار سے ملک و قوم اور دین کے لیے زیادہ موثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔

امامت کی اہلیت: معاشرتی مقام و مرتبہ

معاشرے میں بلند مقام اسی شخصیت کو حاصل ہوتا ہے جو شرافت اور کردار کے مثبت ہونے کے لحاظ سے سب سے زیادہ افضل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے منصب امامت کے لیے ایسے شخص کے انتخاب کی مثالیں قائم کی ہیں جو شخص لوگوں کی نظر میں انتہائی باعزت اور محترم و مکرم ہو۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد انصار اور مہاجرین کے درمیان خلافت کے موضوع پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس اختلاف کو رفع کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ ابتدا میں انصار نے یہ دعویٰ کیا کہ چونکہ ہم نے مہاجرین کو مدینہ میں پناہ گاہ مہیا کی تھی اس لیے خلیفہ کا انتخاب بھی انصار میں سے ہونا چاہیے۔ مہاجرین کا دعویٰ تھا کہ چونکہ نبی اکرم ﷺ کا تعلق ان کے قبائل کے ساتھ تھا اس لیے خلافت ان کو ملنی چاہیے۔ اس اختلاف کے بڑھنے کے بعد اس کو حل کرنے ایک فارمولہ یہ طے کیا گیا کہ کیونکہ ایک کے بجائے دو خلیفہ منتخب کر لیے جائیں۔ ایک خلیفہ کا تعلق انصار کے ساتھ ہو گا جب کہ دوسرے خلیفہ کا تعلق مہاجرین کے ساتھ ہو گا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب إذا دخل بيتا يصلي حيث شاء أو حيث أمر ولا يتجسس ص:1 /92، حدیث نمبر 424

[2] سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب إمامة الأعمى، ص:1 /162 حدیث نمبر 595، (سكت عنه وقد قال في رسالته لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالح)

عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں مسلمانوں کی امامت کا اعزاز بخشا تھا۔ اس لیے ہم سب میں، انصار و مہاجرین سمیت، ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بہتر اور افضل شخصیت کوئی بھی نہیں ہے۔ اس لیے

بہتر یہی ہے کہ ہم سب ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیں۔ سب لوگوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلا مقابلہ اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا[1]۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کے مصلیٰ پر امامت کے فرائض کب سر انجام دیے؟ اس کا جواب دو واقعات کی صورت میں ملتا ہے۔ پہلا واقعہ امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی نے نقل کیا ہے جس کے مطابق ایک مرتبہ قبیلہ قبیلہ بنی عوف کے کچھ لوگوں کے مابین ایک تنازع کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ اس وقت مدینہ کے قاضی القضاۃ اور امام تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ بنی عوف میں گئے تاکہ ان کے مابین موجود اختلاف کو رفع کیا جاسکے۔ جب آپ ﷺ وہاں پہنچے تو فیصلہ کرنے کے لیے معاملہ طول پکڑ گیا اور ظہر کی نماز کا وقت آن پہنچا۔ اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے اور نبی ﷺ تشریف نہیں لائے ہیں۔ کیا اس صورت حال میں آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کی امامت کروادیں گے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہامی بھر لی اور نبی ﷺ کے مصلیٰ پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھانا شروع کر دی۔ اسی دوران آپ ﷺ بھی بنی عوف کے تنازع کا فیصلہ کر کے واپس تشریف لے آئے اور مسجد میں داخل ہو گئے۔۔۔ حضرت ابو بکر الٹے پاؤں واپس چلے اور پیچھے لوگوں کی صف میں شامل ہو گئے، آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر لوگوں کی امامت کروائی۔۔۔ الخ[2]۔

اسی طرح نبی ﷺ کی آخری بیماری کے وقت جب آپ ﷺ کے لیے مسجد میں جانا انتہائی مشکل ہو گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پیغام دیا جائے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی جگہ امامت کروانا شروع کر دی۔ ایک روز وہ امامت کروا رہے تھے اور نبی ﷺ کی طبیعت ذرا سنبھل گئی تو آپ ﷺ مسجد میں دو

---

[1] سنن نسائی، کتاب الإمامۃ، الصلاۃ مع أئمۃ الجور، ص:2/ 75 حدیث نمبر 778

[2] یہ واقعہ متعدد محدثین نے نقل کیا ہے۔ دیکھیے (صحیح بخاری، حدیث نمبر 684۔ 1201، 1204، 1218، 1234، 2690، 7190۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر 421۔۔ سنن نسائی، حدیث نمبر 785)

آدمیوں کے سہارے تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا فرمائی۔ حضرت اعمش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے وہ نماز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں ادا فرمائی[1]۔

نبی ﷺ نے صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں ہی نہیں بلکہ حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں بھی ایک مرتبہ نماز ادا کی تھی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ۔۔۔ہم نے دیکھا کہ وہ حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ رسول اکرم ﷺ بھی نماز میں شامل ہو گئے اور آپ ﷺ نے ایک رکعت پالی۔ وہ رکعت لوگوں کے ساتھ ادا کی اور پھر جب عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ نے دوسری رکعت کھڑے ہو کر ادا کی[2]۔

باعزت اور شرف وو قار کے حامل شخص کو امام بنانے میں ایک حکمت یہ بھی نظر آتی ہے کہ امام چونکہ نماز کا قائد بھی ہوتا ہے اور اس کے پیچھے کھڑے ہونے والے افراد معاشرے کے ہر طبقے سے آتے ہیں۔ نبی ﷺ کے حکم کے مطابق امام نماز شروع کرنے سے قبل لوگوں کی صفیں سیدھی کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب: حد المریض أن یشھد الجماعۃ، ص: 1 / 133 حدیث نمبر 664

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا ایک معاون بھی مسجد میں مقرر کرنا چاہیے۔ تاکہ اگر بوقتِ ضرورت امام کسی دوسرے اہم معاملے میں الجھا ہو تو معاون اس کی جگہ امامت کے فرائض ادا کرنے کے لیے موجود ہو اور مسجد میں دینی امور کی انجام دہی میں کسی بھی قسم کا کوئی تعطل واقع نہ ہو۔

امام نسائی نے بھی یہی روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نے وہ نماز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے ادا فرمائی تھی:

" آخر صلاۃ صلاھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع القوم صلی فی ثوب واحد متوشحا خلف ابی بکر "(سنن نسائی، حدیث نمبر **786**)

" ان ابا بکر صلی للناس ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصف ". (سنن نسائی، حدیث نمبر **787**)

سنن نسائی کی ہی ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس نماز میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ یعنی آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت کی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ نہ نے لوگوں کی امامت کی۔ یہ نماز ظہر تھی اور حضرت ابو بکر نائب امام کے فرائض سر انجام دے رہے تھے۔۔ واللہ اعلم۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " امر ابا بکر ان یصلی بالناس قالت وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین یدی ابی بکر فصلی قاعدا وابو بکر یصلی بالناس والناس خلف ابی بکر ". (سنن نسائی، حدیث نمبر 798)

[2] صحیح مسلم، 274

((استووا استووا استووا))[1]

ترجمہ: برابر ہو جاؤ، برابر ہو جاؤ، برابر ہو جاؤ۔

((اقیموا صفوفکم وتراصوا))[2]

ترجمہ: تم اپنی صفیں درست کر لو، اور سیسہ پلائی دیوار کی مانند ہو جاؤ۔

((راصوا صفوفکم وقاربوا بینها وحاذوا بالاعناق))[3]

ترجمہ: تم اپنی صفیں سیسہ پلائی دیوار کی طرح درست کر لو، اور انہیں ایک دوسرے کے نزدیک رکھو، اور گردنیں ایک دوسرے کے بالمقابل رکھو۔

اگر اقتدا میں سماج کے بڑے لوگ کھڑے ہوں گے تو یقینا ان کو حکم دیتے وقت امام کی آواز میں خود اعتمادی اسی صورت میں پیدا ہو سکے گی اگر وہ خود معاشرے کے بہتر طبقے سے تعلق رکھتا ہو گا۔

مذکورہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ امامت کے لیے ایسے انسان کو منتخب کرنا چاہیے جو افضل ترین فرد ہو۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر شرفا اور نیک طینت لوگوں کے برعکس برے لوگ امامت پر قبضہ جمالیں اور وہی لوگ نمازوں کی امامت کروانا شروع کر دیں تو کیا ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنی چاہیے؟ اس کا جواب اثبات میں ہی دیا جا سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایسے ائمہ کے بارے میں فرمایا کہ:

((صل الصلاة لوقتها فإن ادرکت معهم فصل ولا تقل إني صليت فلا اصلي))[4]

---

[1] سنن نسائی، کتاب الإمامة، حث الإمام علی رص الصفوف والمقاربة بینها، ص:2/92، حدیث نمبر 814 (صححہ الالبانی)

[2] ایضا، ص:2/92، حدیث نمبر 815

[3] ایضا، ص:2/92، حدیث نمبر 816

[4] صحیح مسلم، کتاب الإمامة، باب کراهية تأخير الصلاة عن وقتها المختار، ومايفعله المأموم إذا أخرها الإمام ص:1/448، حدیث نمبر 648

ترجمہ: اگر تم ان کے ساتھ نماز کا وقت پاؤ تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو۔ یہ مت کہا کرو کہ میں نے نماز پڑھ لی ہے اس لیے اب میں نماز نہیں پڑھوں گا۔

ادنی طبقے کا امام

اگر معاشرتی حوالے سے اشرافیہ موجود ہو لیکن ان میں سے کوئی بھی شخص دین کا علم نہ رکھتا ہو تو کیا اس صورت میں کسی ایسے طبقے کے فرد کو امام بنایا جا سکتا ہے جس کا معاشرتی مقام و مرتبہ امرا کی مانند نہیں ہے؟ اس کا جواب اثبات میں ہی نظر آتا ہے کیونکہ خود نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں اس کی ایک مثال چھوڑی ہے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مہاجرین کی ایک جماعت قبا میں اکٹھی ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ ابھی تشریف نہیں لائے تھے۔ اس وقت حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی غلامی میں حضرت سالم رضی اللہ عنہ تھے، وہ لوگوں کی امامت کرواتے تھے[1]۔

اسی طرح حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے اور وہ لوگوں کی امامت کرتے تھے[2]۔

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر قرآن مجید کا زیادہ علم کسی ایسے شخص کے پاس ہو جو ادنی طبقے سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا تقرر بطور امام کر دینا چاہیے۔ محکمہ اوقاف میں جب ائمہ کے لیے ٹیسٹ اور انٹرویو کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے، اس وقت آنے والے امیدوار کا معاشرتی مقام و مرتبہ ضرور دیکھنا چاہیے لیکن صرف سماجی رتبے کی بنیاد پر امام کا تقرر کر دینا انصاف کے منافی ہو گا، قرآن مجید کے علم کو اس پر ترجیح دی جانی چاہیے۔

ہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ ایسا شخص جس کی حرکتوں اور اس کے منفی کردار کی وجہ سے لوگ اس کو پسند نہ کرتے ہوں، اس کو امامت کے منصب پر سرفراز نہیں کرنا چاہیے۔ امام کا منصب کسی ایسے انسان کو سونپنا چاہیے جو عزت اور شرف کا حامل ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب إمامۃ العبد والمولی، ص: 1/ 140 حدیث نمبر 692

[2] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب امامۃ العبد والمولی، قبل الحدیث 692

((ثلاثة لا ترتفع صلاتهم فوق تؤوسهم شبرا: رجل امر قوما وهم له كارهون)) [1]

ترجمہ: تین آدمیوں کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھی بلند نہیں ہوتی، ایک وہ آدمی جو لوگوں کا امام بن جائے، حالانکہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں۔

امامت کی اہلیت: مصلحت فہمی

مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے آنے والے تمام افراد جسمانی و ذہنی اعتبار سے ایک ہی سطح کے نہیں ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ جسمانی طور پر کمزور ہوتے ہیں جب کہ بعض لوگ اپنی مصروفیت کی بنا پر کئی کام زیر تکمیل چھوڑ کر مسجد میں عبادات کی غرض سے آتے ہیں۔ ان لوگوں کے مسائل کے علاوہ بعض مساجد میں خواتین کے لیے بھی نماز کا اہتمام کیا جاتا ہے جو اپنے گھریلو کام کاج کو معطل کر کے مساجد میں نماز ادا کرنے آتی ہیں۔

کئی خواتین اپنے ساتھ شیر خوار بچے بھی لے آتی ہیں کیونکہ ان کو گھر میں چھوڑ کر آنا کئی پہلوؤں سے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ ان تمام مسائل و امور کو مد نظر رکھنا امام کے لیے انتہائی ضروری ہے اس لیے مسجد میں ایسے امام کا تقرر کرنا چاہیے جو وقت کا پابند ہو اور نمازیوں کے لیے نماز کو مختصر کرنے والا ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لعلکم ستدرکون اقواما یصلون الصلاة لغیر وقتها)) [2]

بہت جلد تم ایسے لوگوں کو دیکھو گے جو نماز کو تاخیر کے ساتھ ادا کریں گے۔

ترجمہ: اگر امام میں سماجی امور سے متعلق شعوری آگاہی ہو گی تو یقیناً وہ مسجد میں نماز کی امامت کے دوران ان تمام باتوں کا خیال رکھے گا۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 871 (قال الالبانی فی تخریج احادیث المشکوۃ: حسن إلا الجملة الأخيرة ضعيفة ص:1086)

[2] سنن ابن ماجہ، کتاب إقامة الصلاة، والسنة فيها، باب ماجاء فيما إذا أخروا الصلاة عن وقتها، ص:1 / 398 حدیث نمبر 1255

((إذا صلى احدكم بالناس فليخفف فإن فيهم السقيم والضعيف والكبير فإذا صلى احدكم لنفسه فليطول ما شاء)) [1]

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کی امامت کرے تو اس کو چاہیے کہ نماز کو مختصر کر دے کیونکہ ان نمازیوں میں کمزور، بیمار اور ضعیف العمر لوگ بھی ہوتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص تنہا نماز ادا کر رہا ہو تو وہ اپنی نماز کو اپنی منشا کے مطابق طول دے سکتا ہے۔

خود نبی اکرم ﷺ کا وطیرہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی امامت میں لوگوں کو بہت زیادہ طویل نماز نہیں پڑھائی تھی۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ:

((كان اخف الناس صلاة في تمام)) [2]

ترجمہ: لوگوں میں نبی ﷺ سب سے زیادہ ہلکی اور مکمل نماز ادا کرتے تھے۔

امامت کے دوران نماز کو ہلکا کرنے کا سبب نبی ﷺ نے خود ہی واضح فرما دیا تھا۔ آپ ﷺ کی معاشرتی امور پر گہری نظر رہتی تھی اس لیے آپ ﷺ نے عبادات کی بجا آوری میں ان کا خوب خیال رکھا تھا۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

((إني لاقوم في الصلاة فاسمع بكاء الصبي فاوجز في صلاتي كراهية ان اشق على امه)) [3]

ترجمہ: جب میں نماز کی امامت کے لیے کھڑا ہوتا ہوں، اس دوران بچوں کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو میں نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔ اس وقت مجھے ڈر ہوتا ہے کہ میری وجہ سے اس کی ماں کسی مشقت میں نہ پڑ جائے"

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب: إذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء، ص:1/142، حدیث نمبر 703۔

[2] صحیح مسلم، حدیث نمبر 469۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر 237

[3] صحیح بخاری، حدیث نمبر 707۔ سنن ابو داؤد، حدیث نمبر 189۔ سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 991

نبی ﷺ کے عہد میں نماز کی امامت کے لیے صحابہ کرام کی باقاعدہ تربیت کا نظام موجود تھا۔ اس تربیت کے دوران ائمہ مساجد کو جس بات کی سب سے زیادہ تاکید کی جاتی تھی وہ یہی تھی کہ لوگوں کو نماز کے حوالے سے کسی مشکل نہ ڈالا جائے بلکہ باجماعت نماز کے وقت نماز کو مختصر رکھا جائے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر بالتخفيف ويؤمنا بالصافات))[1]

ترجمہ: نبی ﷺ کا حکم تھا کہ نماز کو ہلکا رکھا جائے اور آپ ﷺ جب خود امامت کرواتے تب آپ ﷺ نماز میں سورۃ الصافات[2] کی تلاوت فرماتے تھے۔

محکمہ اوقاف کے انتظامی عہدوں پر براجمان افراد کو چاہیے کہ مساجد میں امام کے منصب کے لیے افراد کے تقرر کے وقت انتہائی احتیاط سے کام لیں اور ایسے لوگوں کو امامت کی ذمہ داری سونپیں جو قرآن مجید کے بہترین قاری ہوں، عمر میں معتبر ہوں، ان کا سماجی مقام و مرتبہ بہتر ہو اور معاشرتی امور کی سمجھ بوجھ رکھنے والے جسمانی و ذہنی طور پر صحت مند افراد ہوں۔

امامت کی اہلیت: علمی پختگی / وسعت مطالعہ

بلاشبہ مطالعہ ذہنی اور اخلاقی تربیت کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ ہم جو کچھ پڑھتے رہتے ہیں وہ ہمارے دل و دماغ اور جسم میں رچ بس جاتا ہے اور پھر ہمارے عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ مطالعہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی میں پڑھنے کا ہی حکم دیا ہے اور اپنی آسمانی ہدایات کتابی شکل میں ہی محفوظ کی ہیں۔ اس دور میں موبائل لیپ ٹاپ، ٹی وی اور دوسرے کئی جدید سائنسی آلات باآسانی دستیاب ہیں۔

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ ان آلات کے بے حساب فوائد ہیں لیکن یہ مطالعہ کتب کا متبادل ہرگز نہیں ہو سکتے۔ ان کی اہمیت اپنی جگہ اور کتاب کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ مطالعہ کتب کے بے شمار فوائد ہیں، جس طرح غذائیت سے بھرپور غذا انسانی صحت کے لیے ناگزیر ہے اسی طرح روحانی اور فکری ارتقا کے لیے اچھی کتابوں کا مطالعہ جز لاینفک ہے۔ مطالعہ کتب سے

---

[1] سنن نسائی، کتاب الإمامة، مایجوز للإمام من العمل فی الصلاۃ، ص: مایجوز للإمام من العمل فی الصلاۃ حدیث نمبر 827، (صححہ الالبانی)

[2] سورۃ الصافات کی 180 آیات ہیں اور نبی ﷺ عمومی طور پر ساٹھ سے ایک سو آیات کی نماز کی تلاوت فرماتے تھے۔

ذہن میں وسعت اور سوچ وفکر میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ مطالعہ سے علم میں پختگی اور اضافہ ہوتا رہتا ہے لیکن جب اس سے تہی دست ہو جائے تو انسان جہالت کی تاریکیوں میں جا گرتا ہے۔ جب علم میں ناپختگی اور مطالعہ کی کم مائیگی ہو گی تو گمراہیاں چار سو پھیلیں گی۔ اس پر حضور ﷺ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

((إن الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء، حتى إذا لم يبق عالما اتخذ الناس رءوسا جهالا، فسئلوا فأفتوا بغير علم، فضلوا وأضلوا))[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ علم کو اسطرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں سے کھینچ لے لیکن اس کا اٹھانا (موت) علماء کے اٹھانے سے ہو گا لیکن جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے وہ بغیر علم کے فتوی دیا کریں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

لہذا ان تمام پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے ایک امام اور خطیب کے لیے مطالعہ نہ صرف ضروری ہے بلکہ انتہائی درجہ ناگزیر ہے کہ وہ اپنے مطالعہ میں وسعت اور علم میں پختگی لائے اور یہ بات بھی ہے کہ علم میں فقاہت بغیر مطالعہ کے نہیں آسکتی۔ امامت فرض منصبی ہے جس کے لیے نہ صرف تقویٰ لازمی ہے بلکہ ایک اسلامی فلاحی ریاست میں لوگوں کی قرآن وسنت اور سیر صحابہ کے رہنما اصولوں کی روشنی میں سیدھے راستے کی طرف لانے کے لیے مطالعہ از حد ضروری ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب: کیف یقبض العلم، ص: 1/13، حدیث نمبر: 100

قول و فعل میں مطابقت / علم و عمل میں موافقت

کارزار حیات میں کامیابی جہد مسلسل سے وابستہ ہے صرف وہی قومیں ترقی کی منازل طے کرتی ہیں جو زبانی جمع خرچ کے بجائے عمل پر یقین رکھتی ہیں۔ بلند بانگ دعوے، خود پسندی اور لمبی چوڑی باتیں جب عمل سے خالی ہوں تو ندامت، حسرت اور ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ قول و فعل میں مطابقت اور علم و عمل میں موافقت انسان کے دیانت دار اور سچا ہونے کی علامت ہے۔ ایسا شخص معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور قابل تقلید سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس وہ شخص جس کے قول و فعل میں تضاد ہو جو کہتا کچھ اور کرتا کچھ ہو حقیقت میں ایسا شخص خود کو جھٹلا رہا ہوتا ہے۔ قول و فعل کے عدم موافقت کو اگر منافقت کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ اسلام میں قول و فعل کے تضاد کی مذمت بڑے واضح انداز میں کی گئی ہے۔ اہل ایمان کو نہ صرف باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی ناراضگی کا باعث بھی ہے۔ سورۃ الصف میں اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والوں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔

﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: اللہ کے نزدیک بڑی ناپسند بات ہے جو کہو اس کو کرو نہیں۔

ان آیت سے بہت واضح طور پر سامنے آرہا ہے کہ اس میں انسان کو یہ تعلیم دی گئی کہ جو کام تم نے کرنا نہیں اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو۔ لہٰذا ایسے کام کا دعویٰ کرنے کی ممانعت معلوم ہوئی، جس کو کرنے کا عزم اور ارادہ ہی انسان کے دِل کے اندر نہ ہو، کیونکہ یہ دعویٰ جھوٹا ہوگا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے انسان کسی کام کرنے کا دعویٰ کرتا ہے دِل میں کام کرنے کا عزم بھی ہوتا ہے، لیکن وہ کام کسی وجہ سے نہیں ہوتا تو پھر بھی انسان پر قول و فعل میں تضاد کا الزام آجاتا ہے۔ اس لئے اللہ رب العزت نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ اگر دِل میں کسی کام کرنے کا ارادہ اور پختہ عزم ہو پھر بھی اپنے نفس اور اپنی ذات اور اپنی قوت

---

[1] سورۃ الصف:2

[2] سورۃ الصف:3

پر اعتماد کرتے ہوئے انسان براہِ راست یہ نہ کہے کہ میں یہ کام کروں گا، بلکہ یوں کہے ان شاء اللہ میں یہ کام کروں گا، یعنی اگر اللہ نے چاہا۔

اسی احتیاط کے متعلق علامہ اقبال نے کہا تھا۔

شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

ویسے تو ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے قول و فعل میں مطابقت اور علم و عمل میں مطابقت ضروری ہے تاکہ وہ اللہ کی ناراضگی سے بچ سکے لیکن جو لوگ دعوت و تبلیغ منبر و محراب سے وابستہ ہیں ان کی ذمہ داری مزید برھ جاتی ہے کیونکہ یہی وہ واعظین اور خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی طرف بلاتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ بڑے بڑے دعوے کرنے کے بجائے اپنی سلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کچھ کر کے دکھائے۔یعنی بندہ مومن وہ ہوتا ہے جو جو گفتگو بڑی نرمی سے کرتا ہے لیکن جب کام کی باری آتی ہے تو بڑی گرمجوشی سے کرتا ہے۔

محکمہ اوقاف کے انتظامی عہدوں پر براجمان افراد کو چاہیے کہ مساجد میں امام کی منصب کے لیے افراد کے تقرر کے وقت انتہائی احتیاط سے کام لیں اور ایسے لوگوں کو امامت کی ذمہ داری سونپیں جو قرآن مجید کے بہترین قاری ہوں، عمر میں معتبر ہوں، ان کا سماجی مقام و مرتبہ بہتر ہو، مطالعہ میں وسعت ہوں، علمی پختگی ہوں اور معاشرتی امور کی سمجھ بوجھ رکھنے والے جسمانی و ذہنی طور پر صحت مند افراد ہوں۔

خطبہ جمعہ

لفظ جمعہ کو "جُمُعہ، جُمعہ یا جُمَعہ "تینوں طریقوں سے پڑھا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ "یَومِ الجُمُعَۃِ" کے طور پر نازل ہوا ہے [1]۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ لفظ "الجمع" بمعنی "اجتماع" سے ماخوذ ہے۔ اس لیے کہ ہر ہفتے اس دن اہل اسلام اکٹھے ہوتے ہیں [2]۔ اس دن کا نام جمعہ رکھنے کی ایک وجہ حدیث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا

---

[1] سورۃ الجمعۃ:9

[2] مختصر تفسیر ابن کثیر، ص:3/499

فرمایا تھا[1]۔ اسی روز ان کی وفات ہوئی، اسی روز قیامت کا صور پھونکا جائے گا[2]۔ اسلام سے قبل اس دن کا نام "العروبۃ" تھا۔ بعض روایات کے مطابق کعب بن لوی نے اس کا نام جمعہ تجویز کیا اور وہ معروف ہو گیا۔ امام قرطبی کے بیان کے مطابق آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے بھی اہل مدینہ اس روز عبادت کے لیے جمع ہوتے تھے اور انھوں نے اس دن کو جمعہ کا نام دیا تھا[3]۔

اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے روز کو دیگر ایام سے مختلف مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ یہ سب دنوں کا سردار ہے۔ درجے اور مرتبے کے اعتبار سے یہ انتہائی عظمت کا حامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاف فرمایا:

((إن یوم الجمعۃ سید الایام واعظمھا عند اللہ)) [4]

ترجمہ: بیشک جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن ہے۔

یہودیوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((انھم لا یحسدوننا علی شئی کما یحسدوننا علی یوم الجمعۃ التی ھدانا اللہ لھا وضلوا عنھا)) [5]

ترجمہ: یہ لوگ ہم سے کسی اور چیز پر اس قدر حسد نہیں کرتے جس قدر ان کو جمعہ کے دن سے حسد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دن کی توفیق بخشی ہے اور یہ لوگ اس کو نہیں پا سکے ہیں۔

جمعۃ المبارک کا دن اس لیے زیادہ اہم اور دیگر دنوں کے مقابلے میں افضل ترین ہے کہ اس دن میں نمازوں کے عام معمول کے ساتھ ساتھ خطبہ کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے جس کا مقصد لوگوں کو دین سے متعلقہ امور کے حوالے سے وعظ و

---

[1] مسند احمد، ص:5/440،

[2] سنن ابو داؤد، تفریع أبواب الجمعۃ، باب فضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ، ص:1/275، حدیث نمبر 1047، (سکت عنہ وقد قال في رسالتہ لأھل مکۃ کل ما سکت عنہ فھو صالح)

[3] اضواء البیان للشنقیطی، ص:8/270

[4] سنن ابن ماجہ، کتاب إقامۃ الصلاۃ، والسنۃ فیھا، باب فی فضل الجمعۃ، ص:1/344، حدیث نمبر 1084

[5] مسند احمد بن حنبل، ص:6/135 (صححہ الالبانی فی صحیح الجامع ص:2279)

نصیحت کرنا ہوتا ہے۔ اس خطبہ کا آپ ﷺ ہر جمعہ کے روز اہتمام کیا کرتے تھے بلکہ اس غرض سے آپ ﷺ نے ایک منبر بھی بنوا رکھا تھا۔ وہ منبر لکڑی سے تیار کیا گیا تھا اور اس کی تین سیڑھیاں تھیں۔ آپ ﷺ مسجد میں داخل ہو جانے کے بعد تیسری سیڑھی میں بیٹھ جاتے اور اس منبر کو دیوار سے ذرا ہٹ کر رکھا گیا تھا۔ آپ ﷺ کے منبر اور دیوار کے درمیان اتنی جگہ تھی کہ اس میں سے ایک بکری گزر سکتی تھی[1]۔

آپ ﷺ اس منبر بیٹھ کر صحابہ کرام کو وعظ و نصیحت فرماتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ مسجد میں ایک دوسرے کے ساتھ دینی امور سے متعلق تبادلہ خیال کرنے کے لیے فرش پر کسی بھی جگہ بیٹھ سکتے ہیں لیکن مسجد میں جمعہ کے موقع پر امام منبر پر ہی کھڑا ہو کر نصیحت کرے گا کیونکہ ایک طرف یہ اس کے احترام اور اس کی عزت و مقام کی عکاسی کرتا ہے اور دوسری جانب اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ امام سب سامعین کو با آسانی نظر آ جاتا ہے اور انہیں امام کی گفتگو کو سمجھنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہیں ہوتی ہے۔

خطبہ جمعہ کو موثر بنانے کے لیے تجاویز

1۔ خطیب کے لیے لازم ہے کہ اس کے خطبہ جمعہ کا انداز سنت رسول ﷺ کے مطابق ڈرانے والا اور خبر دار کرنے والا ہو نہ کہ خبریں پڑھنے، کہانیاں سنانے یا راگ الاپنے والا ہو۔ حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ:

((کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ واشتد غضبہ، حتی کانہ منذر جیش))[2]

ترجمہ: خطبہ ارشاد فرماتے وقت نبی اکرم ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں اور ان کی آواز بلند ہو جاتی تھی۔ آپ کے چہرے پر غصے کے آثار زیادہ ہو جاتے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کسی لشکر کے حملے سے ڈرا رہے ہوں۔

---

[1] سنن ابو داؤد، تفریع أبواب الجمعة ، باب موضع المنبر ، ص:1/284، حدیث نمبر 1082

[2] صحیح مسلم، کتاب الجمعة ، باب تخفیف الصلاة والخطبة ، ص:2/592، حدیث نمبر 867

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبا کی مکمل تربیت کا اہتمام ہونا چاہیے جس میں ان کو نت نئے اسالیبِ خطابت سکھائے جائیں۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارے ہاں محکمہ اوقاف کی مساجد میں خطبا کا تقرر کرتے وقت اس صلاحیت کے حوالے سے تسلی نہیں کی جاتی ہے۔ بعض خطبا خطابت کی صلاحیت کے حامل ضرور ہیں لیکن بعض خطبا ایسے بھی ہیں جن کا خطبہ سن کر محسوس ہوتا ہے کہ گویا واقعتاً خبریں پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں یا ہوا سے باتیں کی جا رہی ہیں۔ ان خطبا کی خطابت کی صلاحیت کے فقدان کی وجہ سے ہی لوگ جمعہ کے روز مسجد میں عین اس وقت داخل ہوتے ہیں جب نماز کھڑی ہونے والی ہوتی ہے کیونکہ عوام الناس کے لیے خطیب کا اندازِ بیان متاثر کن نہیں ہوتا ہے۔

2۔ خطیب کے اوصاف میں دوسرا وصف یہ ہے کہ اس کی تقریر یا اس کا خطبہ عین موضوع کے مطابق ہو۔ اس میں غیر متعلقہ باتیں سرے سے موجود ہی نہ ہوں تاکہ سامعین اس کی گفتگو کو مرکزی خیال اور اس کے کی توضیح میں پیش کردہ آیات و احادیث کے مفاہیم سے آگاہ ہو سکیں۔ اگر خطیب اپنے موضوع سے نہیں ہٹے گا تو اس صورت میں اس کے خطبہ کا دورانیہ مختصر ہو جائے گا جس کے نتیجے میں سامعین اکتاہٹ سے بچ سکیں گے۔

اس لیے محکمہ اوقاف کی مساجد میں موجود خطبا کو اس بات کا پابند بنانا چاہیے کہ وہ جمعہ کے خطبہ کی بہتر طریقے سے تیاری کر کے آئیں اور محض موضوع کے مطابق گفتگو کریں تاکہ طوالت سے گریز کیا جا سکے۔ رسول اکرم ﷺ کی سنت یہی ہے کہ آپ ﷺ اپنے خطبہ کو مختصر رکھتے تھے اور وعظ کو طویل نہیں کرتے تھے۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يطيل الموعظة يوم الجمعة، إنما هن كلمات يسيرات))[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبے کو طول نہیں دیتے تھے، وہ بس چند ہی کلمات ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا جو انتہائی مختصر تھا۔ جب وہ خطبے کے بعد منبر سے اترے تو سامعین نے ان سے خطبے کے اختصار کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

---

[1] سنن ابو داؤد، تفريع أبواب الجمعة، باب إقصار الخطب، ص:1/289، حدیث نمبر 1107، سکت عنہ (وقد قال في رسالته لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالح)

((إن طول صلاة الرجل وقصر خطبته، مئنة من فقهه، فأطيلوا الصلاة، واقصروا الخطبة، وإن من البيان سحرا)) [1]

ترجمہ: خطبہ کو مختصر کرنا اور نماز کو لمبا کرنا آدمی کے سمجھ دار ہونے کی نشانی ہے۔اس لیے تم لوگ نماز کو طویل کیا کرو اور خطبہ کو مختصر کیا کرو کیونکہ بعض اوقات انسان کا بیان جادو کی تاثیر رکھتا ہے۔

عصرِ حاضر میں جو لوگ خطبہ کے لیے وقت نکال کر مسجد میں آتے ہیں اگر انہیں اس طریقے سے دینی تعلیمات پہنچائی جائیں گی تو تبلیغ کا یہ طریقہ انتہائی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

3۔ خطیب کو چاہیے کہ اس کا خطبہ قصے، کہانیوں، حکایات اور بے تکی باتوں پر مشتمل نہ ہو۔ خطبہ جمعہ کے لیے دستیاب مختصر وقت بہت قیمتی ہوتا ہے اور اس کو قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے ذریعے مزین کرنا چاہیے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((كانت للنبي صلى الله عليه وسلم خطبتان، يجلس بينهما يقرا القرآن، ويذكر الناس)) [2]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دو خطبے پڑھا کرتے تھے اور ان کے بیچ میں بیٹھتے تھے اور خطبوں میں قران شریف پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے۔

چنانچہ خطبا کے لیے ایسا لٹریچر تیار کیا جانا چاہیے جو متنوع موضوعات سے متعلق آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبوی ﷺ کے مجموعے کی شکل میں ہو تاکہ خطبات کی تیاری کے حوالے سے خطبا کو با آسانی مطلوب مواد میسر ہو سکے۔ اس ضمن میں محکمہ اوقاف کی انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ خطبا کے خطبات پر نظر بھی رکھے اور اگر کوئی خطیب رطب و یابس بیان کرتا ہوا پایا جاتا ہے تو اس کی اصلاح کی جائے۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة ص:2/594، حدیث نمبر 869

[2] صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب ذکر الخطبتین قبل الصلاة وما فیهما من الجلسة، ص:2/589، حدیث نمبر 862

4۔ خطیب کو چاہیے کہ وہ خطبہ جمعہ کو محض وعظ و نصیحت تک ہی محدود نہ رکھے بلکہ سامعین کو عملی طور پر بھی نیکی کے کاموں کے کرنے کی ترغیب دے اور ان کو اس انداز میں ابھارے کہ لوگ عملی طور پر کسی بھی کارِ خیر میں شریک ہو جائیں۔ اسی صورت میں معلوم ہو سکے گا کہ سامعین پر خطیب کے وعظ کا کتنا اثر ہو رہا ہے۔ اس کی ایک مثال نبی اکرم ﷺ کی سیرت میں ملتی ہے۔ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک جمعہ کے خطبہ میں نبی ﷺ نے لوگوں کو صدقہ پر ابھارا جس کے بعد لوگوں نے صدقے میں کپڑے دیے۔ آپ ﷺ نے ان کپڑوں میں سے دو کپڑے وہاں بیٹھے ایک غریب آدمی کو دے دیے۔ اگلے جمعہ وہ غریب آدمی پھر آیا۔ آپ ﷺ نے اس وقت بھی صدقہ کی تلقین کی تو سب لوگوں کے ساتھ اس نے بھی ایک کپڑا ڈال دیا۔ چونکہ وہ کپڑا اس کی ضرورت کا تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ اپنا کپڑا واپس اٹھا لو[1]"۔

چنانچہ اگر مسجد میں کوئی مستحق آ کر خطیب سے تعاون کی گزارش کرے تو خطبہ کے دوران اس کے لیے لوگوں سے تعاون کی اپیل کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

[1] سنن نسائی، کتاب الجمعۃ ، باب حض الإمام فی خطبتہ علی الغسل یوم الجمعۃ ، ص 3/106، حدیث نمبر 1407

فصل دوم: ائمہ مساجد کے مقام کی بحالی

مسجد کا امام مسجد کے نظام کا بنیادی رکن ہوتا ہے جس کے بغیر شریعت کے متعارف کردہ عبادات کے نظام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں اس منصب کو انتہائی زیادہ اہمیت دی گئی تھی۔ معاشرے کے اعلیٰ افراد کو اس ذمہ داری کی ادائیگی پر مامور کیا گیا۔ آپ ﷺ کی زندگی میں ان صحابہ کرام کو اپنے اپنے قبیلے میں امامت کے فرائض پر مامور کیا گیا تھا جو معاشرتی اعتبار سے افضل ترین سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ خلافت کے فرائض کے ساتھ امامت کے منصب پر بھی زندگی بھر فائز رہے۔ انھوں نے جو والی اور امام منتخب کیا وہ ہر اعتبار سے لائق اور اپنا حال تو یہ ہوا کہ آخر کار امامت کراتے ہوئے ہی جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ ﷺ کے بعد حضرت عثمان اور حضرت علی کا بھی اس باب میں یہی طرزِ عمل رہا۔ یہی نہیں بلکہ خلافت راشدہ کے دور میں جتنے بھی والی اور گورنر منتخب کر کے دوسرے مقامات میں بھیجے گئے، سبھی نے اس منصب کو بھی سنبھالا۔ گویا ان کے فرائض میں نماز کی امامت بھی داخل تھی جس سے وہ کنارہ کشی نہیں کر سکتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس دور کے بعد بھی امامت گورنروں کے فرائض میں داخل رہی ہے۔ ٹامس آرنلڈ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"خلیفہ کے سیاسی فرمانروا ہونے کا مفہوم یہ تھا کہ وہ مذہبی اور سیاسی دو قسم کے اختیارات کا حامل ہے۔ مذہبی حیثیت سے اس کی حکومت کا حقیقی مقصد صرف دین کا تحفظ تھا۔ حامی دین کی حیثیت سے وہ جنگ کرتا تھا۔ مذہب کا صدمہ پہنچانے والے افراد کو سزائیں دیتا تھا۔ نماز میں امامت، جمعہ کا خطبہ دینا بھی اس کا ایک منصبی فرض تھا[1]۔

امام مسجد کی فضیلت

امام مسجد معاشرے کے لوگوں کا قائد ہوتا ہے جو ان کو عبادات میں ہر قسم کی قیادت اور رہنمائی دیتا ہے۔ چونکہ مسلمان کی زندگی کا دائرہ عمل اس کے روحانی نظام اور عبادات کے ساتھ منسلک ہے اس لیے اس نظام کی قیادت کرنے والا بالا و لی ایک اہم فرد قرار پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت اور بڑھائی کا معیار دنیاوی جاہ و حشمت نہیں ہے بلکہ اس کے نزدیک

[1] مسلمانوں کا نظمِ مملکت، ص:207

وہی شخص زیادہ باعزت ہے جو تقویٰ اور پرہیز گاری میں دوسروں سے زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ ائمہ مساجد اس معیار پورے اترتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ وہ سارا دن اللہ تعالیٰ کے گھر میں گزارتے ہیں، نمازوں کے پابند ہوتے ہیں بلکہ ان کی وجہ سے لوگوں کی زندگیوں میں نمازوں پابندی ہوتی ہے۔ ان کے اسی منصب اور اسی شرف کے پیش نظر نبی ﷺ نے اپنی زندگی میں ان کو عزت واحترام کے ساتھ نوازا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ پیشین گوئی فرمادی تھی کہ صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات ہوں گے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ثلاثة علی کثبان المسك اره قال یوم القیامة یغبطهم الاولون والآخرون: رجل ینادی بالصلوات الخمس فی کل یوم ولیلة، ورجل یؤم قوما وهم به راضون، وعبد ادی حق الله وحق موالیه))[1]

ترجمہ: قیامت کے لوگ تین قسم کے لوگ مشک کے ٹیلے پر ہوں گے۔ راوی کا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ان تین لوگوں پر وہ لوگ رشک کریں گے جو ان سے پہلے گزر چکے ہوں گے اور وہ لوگ بھی رشک کریں گے جو ان کے بعد گزرے ہوں گے۔ ان تین لوگوں میں پہلا شخص وہ ہوگا جو پانچ وقت کی نمازوں کے لیے اذان دینے کی ذمہ داری پوری کرنے والا ہوگا، دوسرا شخص وہ ہوگا جو کسی قوم کی امامت اتنے اچھے انداز میں کراتا ہوگا کہ اس کی قوم اس سے خوش ہوگی۔ تیسرا شخص وہ غلام ہوگا جو اپنے مالکوں کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے گا۔

امام کی اس فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ صحیح سنت کے مطابق نماز پڑھانے کے ساتھ ساتھ دعاؤں میں اپنے مقتدی حضرات کو شامل رکھتا ہے اور ان کی نماز کی درستگی اور صحت کا خیال رکھتا ہے۔ ایسا شخص نہ صرف اپنی ہی آخرت کی تیاری میں مصروف عمل ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے ساتھ ساتھ اپنی اقتدا میں نماز ادا کرنے والوں کی نماز کی بہتری کا سبب بن کر ان کی آخرت کو بھی سنوارنے میں اپنا پورا کردار ادا کرتا ہے۔ اس کی اسی خصلت کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] سنن ترمذی، أبواب صفة الجنة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ، ص:4/278، حدیث نمبر 2566، (قال الترمذی: ھذا حدیث حسن غریب)

((الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، اللهم ارشد الائمة واغفر للمؤذنين)) [1]

ترجمہ: امام کے ذمہ یہ ہے کہ وہ اپنے مقتدیوں کی نمازوں کا ضامن اور کفیل ہے۔ موذن کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے فرائض کا امین ہے۔ اے اللہ! تو اماموں کو سیدھی راہ پر قائم رکھ اور موذنوں کی بخشش فرما دے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مرتبے کے اعتبار سے امام موذن سے زیادہ افضل ہے۔

امام کا کردار انسانوں اور رب کے درمیان ایک سفارت کار کا کردار ادا کرتا ہے۔ اس سفارت کاری کی وجہ سے وہ انسانوں کے درمیان ایک معزز شخصیت کی صورت اختیار کرتا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی انسانوں کے سفیر کو اکرام سے نوازتا ہے [2]۔

فضیلت کی مشروطیت

مذہبی اعتبار سے ائمہ اور فضلاء کے اس مقام کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ ان کے اماموں کا درجہ اور ان کی فضیلت کا دار و مدار صرف اور صرف مسجد میں نمازوں کی امامت کے دوران دیانت دارانہ طریقے سے چلنے پر ہے۔ اگر کوئی امام اس ذمہ داری کی ادائیگی میں پوری دیانت داری کا مظاہرہ نہیں کرتا تو اس کو اسلام نے ایسے شخص کے بارے میں وعید سنائی ہے۔

> "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا "امام لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں۔ اگر کسی امام نے ٹھیک نماز پڑھائی تو اس کا ثواب اس کو بھی ملے گا اور تم لوگوں (مقتدیوں) کو بھی ملے گا۔ اگر اس نے نماز پڑھانے کے فریضے میں غلطی کا ارتکاب کیا تو تمہیں تمہاری نماز کا ثواب مل جائے گا لیکن ان کی غلطی کا بوجھ ان پر ہو گا جس کا خمیازہ وہ بھگتیں گے [3]"۔

---

[1] سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ما یجب علی المؤذن من تعاهد الوقت، ص:1 / 143 حدیث نمبر 517

[2] عبد الرؤف مناوی، التیسیر بشرح الجامع الصغیر، دار النشر مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض، طبع سوم، 1988ء، ص:1 / 425

[3] صحیح بخاری، کتاب الأذان ، باب إذا لم یتم الإمام وأتم من خلفه ، ص:1 / 140، حدیث نمبر 694

اسی سے ملتی جلتی ایک روایت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے ائمہ مساجد کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

((من ام قوما فلیتق اللہ، ولیعلم: انہ ضامن مسؤل کما ضمن، فان احسن، کان لہ من الاجر مثل اجر من صلی خلفہ من غیر ان ینتقض من اجورھم شیئا، وما کان من نقص فھو علیہ)) [1]

ترجمہ: جس نے کسی قوم کی امامت کا بیڑا اٹھایا اس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے۔ اس کو جان لینا چاہیے کہ وہ اسی طرح اپنے فریضے کا ضامن اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے جیسے اس کو ضامن بنایا گیا ہے۔ اگر اس نے اپنا فرض اچھی طرح ادا کیا تو اس کو لیے بھی اتنا ہی اجر ہو گا جتنا اجر اس کے مقتدیوں کے لیے ہو گا۔ اس کے اجر میں ذرا بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ اس کے فریضے کی ادائیگی میں جو نقص باقی بچے گا اس کا وبال اسی پر ہو گا۔

امامت کی اسی ذمہ داری ے ساتھ فضیلت کو مشروط کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیشتر صحابہ کرام نے اس بار گراں کو قبول کیا اور بعض صحابہ نے اس کو اپنانے میں تردد سے کام لیا۔ اس کی مثال ہمیں صحابہ کرام کی سیر توں کے مطالعہ میں جا بجا ملتی ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو حازم رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ایک نوجوان تھے اور اپنے قبیلے کے نوجوانوں کو اکٹھا کر کے ان کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے ان سے کہا کہ آپ تو اللہ کے رسول ﷺ کے صحابی ہیں۔ آپ ایک افضل انسان ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ محض کچی عمر کے لڑکوں کو جمع کر کے ان کو نماز پڑھاتے ہیں۔ حالانکہ آپ کو چاہیے کہ آپ اپنی پوری قوم کو جمع کر کے پوری قوم کو نماز پڑھایا کریں۔ یہ سن کر ابو حازم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

((ان الامام ضامن فان اتم کان لہ ولھم وان نقص کان علیہ ولا علیھم)) [2]

---

[1] ابو قاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المعجم الاوسط، دار الحرمین، قاہرہ، ص: 7/370

[2] محمد بن عبد اللہ الحاکم نیشاپوری، مستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع 1990ء ص: 1/337

ترجمہ: امام ضامن ہے۔ اگر اس نے اپنی ذمہ داری بدرجہ اتم پوری کی تو یہ ذمہ داری کا ثواب اس کے لیے ہو گا۔ اگر اس نے کوئی غلطی کر دی تو اس کا گناہ بھی اسی پر ہو گا۔

اس لیے میں اپنے آپ کو اس ذمہ داری کا متحمل نہیں سمجھتا ہوں۔

حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من ام الناس فاصاب الوقت فله ولهم، ومن انتقص من ذلك شيئا فعليه ولا عليهم))[1]

ترجمہ: جس نے لوگوں کی امامت کی اور اس اس نے وقت پالیا، تو وہ اس کے لیے ہے اور اس کے مقتدیوں کے لیے بھی ہے۔ اور جس نے اس میں کچھ بھی کمی کی، تو اس پر تو اس کمی کا بوجھ ہو گا لیکن اس کے مقتدیوں پر اس کا بوجھ نہیں ہو گا۔

یہی وجہ ہے کہ امام شافعی نے اپنی کتاب الام میں لکھا ہے کہ اگر مجھے اختیار دیا جائے کہ امام یا موذن میں سے کسی ایک منصب کو قبول کر لوں تو میں موذن بننے کو قبول کروں گا کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے موذن کے لیے دعا فرمائی ہے کہ:

((اللهم اغفر للمؤذنين))[2]

ترجمہ: اے اللہ موذنوں کی مغفرت فرما۔

امام شافعی نے امامت کو ضمانت کی شرط کی وجہ سے ترجیح نہیں دی ہے کیونکہ اس میں امام کے کاندھوں پر بار ہوتا ہے۔

---

[1] احمد بن حنبل شیبانی، مسند احمد بن حنبل، دار النشر، قرطبہ، ص:4/154، (صحہ الالبانی، صحیح الجامع، ص:6101)

[2] ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی، الام، دار المعرفۃ، بیروت، طبع دو، 1393ھ، ص:1/159

ائمہ کے مسائل

امام کی فضیلت اور اس فضیلت کی علمی و عملی بنیادوں سے آگاہ ہونے کے باوجود اب لازمی معلوم ہوتا ہے کہ تمام مساجد کی انتظامیہ بالعموم اور محکمہ اوقات کی انتظامیہ بالخصوص اس بات کالحاظ رکھے کہ مسجد میں امام کی تقرری کرتے وقت اس بات کو ذہن نشین رکھا جائے کہ یہ تقرر کسی عام کمپنی یا ادارے میں ملازم کے تقرر کی طرح نہیں ہے۔ دنیاوی اداروں میں ملازم کا تقرر کرتے وقت اس بات کا پورالحاظ رکھا جاتا ہے کہ زیر غور امیدوار کی تعلیمی قابلیت، اس کی تراش خراش، اس کی وضع قطع، اس کا عملی تجربہ، متعلقہ کام میں اس کی مہارت، سابقہ اداروں میں کام کرنے کے دوران اس کی شخصیت اور اس کے کردار کی جانچ پڑتال وغیرہ ایسے تمام امور سے متعلق تسلی کرلی جائے۔ حالانکہ اس ملازم کے تقرر کا تعلق مادی اور دنیا امور کے ساتھ ہوتا ہے اور انتخابی کمیٹی کے ممبران پوری احتیاط کے ساتھ اس کا انتخاب کرتے ہیں تاکہ عملی میدان میں آنے کے بعد وہ کمپنی کے مقاصد اور مفادات کو کسی قسم کی ٹھیس نہ پہنچائے۔

مسجد میں امام کا تقرر کرتے وقت بھی انتظامیہ کے لیے لازم ہے کہ وہ ضروری امور سے متعلق اپنی تسلی کر لینے کے بعد امام کا تقرر کرے اور اس کے بعد امام کے ساتھ اپنا رویہ اس طرح کا نہ رکھے جس طرح کسی ملازم کے ساتھ رویہ روا رکھا جاتا ہے۔

ائمہ مساجد کے ساتھ انتظامیہ کا سلوک بعض اوقات مثبت ہوتا ہے۔ انھیں عزت واحترام سے دیکھا جاتا ہے۔ مسجد کے امور سے متعلق ان کی آرااور ان کے خیالات وافکار سے بھرپور طریقے سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ انھیں مسجد کے جملہ امور کے اختیارات سونپے جاتے ہیں جس کے بعد وہ مسجد کی خدمات میں اپنا کل وقت صرف کرتے ہیں اور بسا اوقات اس عزت افزائی کی وجہ سے وہ کم تنخواہ پر بھی گزارا کر لیتے ہیں۔

دوسری جانب بعض مساجد ایسی بھی ہیں جہاں امام کے انتخاب کے لیے انتہائی کڑی شرائط لگائی جاتی ہیں۔ عموماً مدارس کے فارغ التحصیل حفاظ اور قرا حضرات کے مالی حالات بہتر نہیں ہوتے ہیں اور بے روزگاری کی وجہ سے ان کا جینا دوبھر ہوتا ہے۔ اس لیے وہ وقتی طور پر کسی مسجد میں اپنے لیے جگہ بنانے کی غرض سے ان تمام شرائط کو قبول کر لیتے ہیں۔ انہیں ان کی قابلیت کی بنیاد پر امامت کے لیے منتخب بھی کر لیا جاتا ہے لیکن اس کے بعد انتظامیہ کی جانب سے ان کو بے وجہ تنقید کا نشانہ بنایا

جاتا ہے۔ مسجد میں رہ رہ کر وہ معاشرے سے کٹ جاتے ہیں اور انہیں سماجی معاملات کا تجربہ نہیں ہو پاتا ہے۔ راقم الحروف نے ایسے ائمہ سے بھی ملاقات کی ہے جو امامت کے ساتھ ساتھ مزید تعلیم حاصل کرنے کے متمنی ہوتے ہیں لیکن مساجد کی انتظامیہ کی جانب سے ان کو اجازت نہیں ملتی ہے اور ان کو پابند کیا جاتا ہے کہ ان کا سارا وقت مسجد میں ہی گزرنا چاہیے۔ دیکھا جائے تو یہ امام کے تقدس اور اس کی فضیلت کی دھجیاں اڑا دینے کے مترادف ہے۔ پانچ نمازوں کی امامت اور فجر کی نماز یا عصر کی نماز کے بعد بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھانے کے علاوہ باقی ماندہ وقت میں امام کو بے وجہ مسجد میں ہی رہنے کا پابند بنانے میں کوئی خاص منطق نظر نہیں آتی ہے۔ اگر کوئی امام انتظامیہ کی اجازت کے بغیر مزید تعلیم حاصل کرنے کی طرف جائے یا کوئی جز وقتی ملازمت کرنے کی کوشش کرے تو انتظامیہ بغیر کسی تامل کو اس کو مسجد سے نکال دیتی ہے یا اس پر دنیادار یا مادیت پرست ہونے کا الزام لگا کر اس قدر سخت پراپیگنڈہ کرتی ہے کہ امام خود ہی اپنی ذمہ داریوں سے مستعفی ہو جاتا ہے۔

مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کو فوری طور پر مسجد میں امامت کے لیے رکھ لیا جاتا ہے جب کہ ان کے پاس امامت یا مساجد کے امور میں خدمت کا کچھ تجربہ نہیں ہوتا ہے۔ شروع سے ہی انہیں مسجد کے اندر رہنے کی عادت پڑ جاتی ہے اور وہ زندگی بھر معاشرے سے کٹے رہتے ہیں۔۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر قدم پر جا بجا غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس میں ان کی امامت کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ محض اس وجہ سے ہوتا ہے کہ انھیں سماجی تربیت حاصل کرنے کا عملی موقع کبھی بھی نہیں ملا ہوتا ہے۔ لیکن جب ان کی غلطیاں سماج میں مشتہر ہوتی ہیں تو لوگ عملی تربیت کے فقدان کو نظر انداز کرتے ہوئے یہی سمجھتے ہیں کہ مسجد کا امام ہونا کوئی قابلِ فخر بات نہیں ہے۔

ائمہ کی تنخواہ انتہائی کم ہوتی ہے۔ اس پر مزید افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ عام ملازمین کی تنخواہوں میں وقت کے ساتھ ساتھ کمپنیوں کی جانب سے اضافہ کیا جاتا ہے لیکن امام مسجد کی تنخواہ میں اس طرح کا اضافہ نہیں ہوتا ہے۔

کثیر تعداد میں ایسے ائمہ ملے ہیں جو گزشتہ کئی برسوں سے ایک ہی تنخواہ میں گزارا کر رہے ہیں اور اگر وہ مساجد کی انتظامیہ سے تنخواہ میں اضافے کی درخواست کرتے ہیں تو صاف انکار کر دیا جاتا ہے۔ اس پر اصرار کیا جائے تو انتظامیہ فوری طور پر امام کو فارغ کر کے کسی نئے امام کا بندوبست کر لیتی ہے۔ مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری لکھتے ہیں :

"عصرِ حاضر میں مساجد کے متولیان اور محلہ کے افراد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سب اس مسئلہ کی جانب بھرپور توجہ دیں۔ان کو چاہیے کہ مساجد کے ائمہ کی عزت و احترام کا بھرپور خیال رکھیں۔وہ مساجد کے اماموں کو اپنا مذہبی پیشوا اور اپنے لیے سردار کی مانند جانیں۔ان کو اپنے عام ملازمین کی طرح نہ سمجھیں اور نہ ہی ان کے ساتھ ملازمین والا رویہ اپنائیں کیونکہ یہ امامت کے منصب کی سخت توہین ہے۔امامت ایک انتہائی اہم دینی عہدہ ہے، یہ پیشہ ورانہ ملازمتوں کی مانند ایک ملازمت نہیں ہے۔اس وقت اس عہدے کا وقار، اس کی عظمت، اس کی عزت اور اس کے اکرام کی حفاظت انتہائی ضروری ہے[1]"۔

کم تنخواہ کی وجہ سے امام کی زندگی پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ان اثرات میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کی شادی ان کے لیے بہت بڑا چیلنج بن جاتی ہے۔غربت اور تنگدستی کی وجہ سے ان کے لیے کوئی بھی رشتے کے لیے ہاں نہیں کرتا ہے بلکہ لوگ "مولوی" کا نام سنتے ہیں رشتہ دینے سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی بھی شخص امام بننے پر رضامند نظر نہیں آتا ہے۔مولانا اسرار الحق قاسمی لکھتے ہیں:

"مختلف اسباب کی بنا پر آج کل ایسا ماحول بنادیا گیا ہے کہ دوسرے لوگوں کو تو چھوڑیں خود مسلمان اور وہ بھی باشعور سمجھے جانے والے مسلمان بھی امامت اور مؤذنی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؛حالاں کہ دوسری جانب ایک ناقابلِ انکار حقیقت یہ ہے کہ پانچ وقتوں اور عیدین کی نمازوں کے علاوہ بھی پیدائش سے لے کر موت تک ہم ایک امام اور مؤذن کے محتاج ہوتے ہیں۔ایسا باور کیا جاتا ہے کہ مساجد کے امام اور مؤذنین معاشرے پر بوجھ ہیں اور پھر ان کے ساتھ عام طور پر اسی قسم کا برتاؤ کیا جاتا ہے،یقین جانئے ہمارا یہ عمل خود ہماری بدبختی اور اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور اس سے خود ہمیں ہی دنیا و آخرت میں خسارہ ہوگا[2]۔

---

[1] مفتی عبد الرحیم لاجپوری، فتاویٰ رحیمیہ، ناشر دار الاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی طبع، 2009، ص:9/293 جدید

[2] اسرار الحق قاسمی، اسلام میں ائمہ و مؤذنین کا مقام و مرتبہ اور ہماری ذمہ داریاں، ماہنامہ دار العلوم، شمارہ 3، جلد: 101 ، جمادی الاخری 1438 ہجری مطابق مارچ 2017ء

ائمہ کے مقام کی بحالی کے لیے تجاویز

اس وقت مذہبی دنیا میں مساجد کے حوالے سے جن اصلاحات کی ضرورت ہے ان میں سے ایک اہم کام یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ائمہ مساجد کا احترام اجاگر کیا جائے۔ امام کو اسلام نے جس مقام اور مرتبے سے نوازا ہے اس کا وہی مقام اور رتبہ اس کو واپس لوٹایا جائے۔ ائمہ کی اقتدا کو محض ایک مذہبی رسم نہ سمجھا جائے بلکہ ان کی اقتدا میں اخلاص اور احترام کے جذبات کو شامل رکھا جائے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سماج کا رابطہ ہمیشہ امام اور مسجد کے ساتھ رہا ہے۔ اس عہد میں بھی امام، عوام اور مسجد کا باہمی رابطہ انتہائی مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی صورت میں عوام اور امام، دونوں کے لیے افادہ کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ اس عمل سے مسلمان معاشرے میں ہر پہلو سے مثبت تبدیلی پیدا ہو سکے گی۔

جہاں ہم لوگ مسجدوں کی تعمیر اور تزئین میں دل کھول کر پیسا خرچ کرتے ہیں اور ہم سب کی کوشش ہوتی ہے کہ مساجد میں آنے والے نمازیوں کو ہر قسم کی آسانی دستیاب ہو، ہم نمازیوں کے لیے گرمیوں میں اے سی کا انتظام کرتے ہیں، ٹھنڈے پانی کے کولر چلاتے ہیں، سردی میں ہیٹر مہیا کرتے ہیں، بہت سی مساجد میں بہترین قالین بچھائے جاتے ہیں، ایسے مصلے بچھائے جاتے ہیں جو مخمل اور گدے سے تیار شدہ ہوتے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزوں پر پیسا خرچ ہوتا ہے۔ ان سب کے ساتھ ساتھ ہمیں چاہیے کہ ہم اس شخص کا بھی بھرپور خیال رکھیں جو ہمیں پانچ نمازوں میں امامت کرتا ہے، اس کی تنخواہ کو بہتر کریں کیونکہ اس مہنگائی کے طوفان کا مقابلہ کرنے سے وہ لوگ بھی قاصر رہ چکے ہیں جو لاکھوں کماتے ہیں، دوسری جانب مسجدوں کی تعمیر میں بے شمار پیسا خرچ کرنے والے مساجد کی انتظامیہ کے کارکنان کو چاہیے کہ وہ امام کی تنخواہ اتنی ضرور رکھیں کہ وہ بھی دیگر افراد معاشرہ کی مانند ایک پرسکون زندگی گزار سکیں۔ متولیانِ مساجد کو اس طرف غور کرنا چاہیے۔

اس ضمن میں مسجد کے نمازیوں کو چاہیے کہ وہ مسجد کے انتظامی امور کی انجام دہی کے لیے محض انہی لوگوں کو منتخب کریں جو حقیقت میں مسجد کی تولیت کے اہل ہوں۔ جو مسجد کو اپنی جاگیر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہ سمجھیں اور اس کے ساتھ عقیدت اور احترام والا رویہ اپنائیں۔ مسجد کے ساتھ ساتھ وہ مسجد کی امامت کے فرائض سرانجام دینے والے امام کو بھی انتہائی عزت کا مقام دیں۔ اگر مسجد کی انتظامیہ کے عہدے داران امام مسجد کے ساتھ گستاخانہ اور توہین آمیز رویہ اپنالیں تو نمازیوں کو چاہیے کہ اس صورت حال میں وہ اپنے مذہبی پیشوا، نمازوں کے امام اور مسجد کے حقیقی خدمت گزار کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور انتظامیہ کے افراد کی سیاسی سازشوں کا مقابلہ کرتے ہوئے امام کو اس کے احترام سے مسلسل نوازیں۔ اس

صورت میں اگر کسی قسم کی قانونی کارروائی کرتے ہوئے انتظامیہ کو قانون کی مدد سے تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس سے بھی گریز نہیں کیا جانا چاہیے۔

محکمہ اوقاف کی مساجد کے نمازیوں کو بھی اسی قسم کا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اگر محکمہ کا کوئی افسر کسی وقت کسی مسجد کے امام کے ساتھ توہین آمیز رویہ اپنائے اور اس کا وقار خراب کرنے کی کوشش کرے تو ادارے کے جملہ کارکنان کی ذمہ داری ہے کہ وہ متعلقہ افسر کی شکایت ذمہ داران تک پہنچانے میں امام کے ساتھ معاونت کریں۔

افریقہ کے ایک ملک کانگو میں واقع دارالعلوم الایمان کے استاد محمد حامد ناصری قاسمی نے اس ضمن میں ایسے راز فاش کیے ہیں جن کے مطابق بعض مساجد کے ائمہ کو اس شرط کے ساتھ مسجد میں امامت کے لیے رکھا جاتا ہے کہ آپ نمازیوں سے چندہ جمع کر کے اپنی تنخواہ کا انتظام کریں گے اور باقی بچ جانے والی رقم انتظامیہ کو واپس دیں گے[1]۔

ایسے متولیان کو فوری طور پر عہدوں سے ہٹا دینا چاہیے اور ان لوگوں کو مساجد کی تولیت پر فائز کرنا چاہیے جو باعلم ہوں اور دینی امور کی انجام دہی سے متعلق تمام لوازمات سے آگاہ ہوں۔ مولانا ابوالکلام آزاد سورہ توبہ[2] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> "نیز یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ خدا پاک کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمان کو پہنچتا ہے اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں، یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق و فاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ دونوں کے درمیان مناسبت باقی نہیں رہتی، بلکہ متضاد باتیں جمع ہو جاتی ہیں، وہ یہ کہ مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور متولی خدا پرستی سے نفور (یعنی خدا پرستی سے منہ موڑنے والا)[3]۔"

---

[1] محمد حامد ناصری کاظمی، امام مسجد کی مظلومیت اور مسجد کمیٹی کا ظلم، آن لائن اشاعت
https://m.dailyhunt.in/news/india/urdu/baseerat+online-epaper-baonline/-newsid-87815733
accessed:09/07/2019

[2] إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ

اللہ کی مسجدیں تو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا۔ تو یہ لوگ امید ہے کہ ہدایت پانے والوں سے ہوں گے۔ (سورۃ التوبہ:19)

[3] ترجمان القرآن بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص:9/295

پاکستان میں ائمہ کی حالتِ زار پر راجہ تنویر حسین نے ایک آرٹیکل لکھا ہے[1]، اس موضوع کے حوالے سے اس میں بھی کئی انکشافات کیے گئے ہیں۔

اسلام نے امام مسجد کو انتہائی اعلیٰ مقام سے نوازا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اپنے عہد میں انتہائی معزز ترین صحابہ کرام اس منصب کے لیے منتخب کیا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ حالات نے غیر اسلامی رجحانات کو دیکھا جن کے نتیجے میں امام مسجد کا معاشرے میں مقاما انتہائی ناگفتہ بہ ہو گیا۔ اماموں کی ناقدری ہر مسجد میں دیکھنے میں آتی ہے جن میں محکمہ اوقات کی مساجد بھی ہیں۔ مساجد کو اصلاحی لحاظ سے مفید بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ائمہ کا تقدس بحال کیا جائے۔

[1] معاشرے کا معزز طبقہ، ماہنامہ، تحفظ، 2010

فصل سوم: مسجد اجتماعی فلاح و بہبود کا مرکز

مسلم معاشرے میں مسجد انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور یہی مسلمانوں کے مجموعی معاشرے کے لیے مرکز اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ مسلم معاشرے کے متعدد امور مسجد کے ساتھ ہی مربوط ہیں۔اس فصل میں ان اہم امور پر روشنی ڈالی جائے گی جن کا تعلق بظاہر معاشرے کی فلاح و بہبود کے ساتھ ہے لیکن ان معاملات میں مسجد کو بطور مرکزِ فلاح بنایا جا سکتا ہے۔روئے زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ خانہ کعبہ ہے۔اسی طرح روئے زمین پر انسانی فلاح و بہود کا پہلا مرکز بھی خانہ کعبہ ہے۔ قرآن مجید نے اس کو لوگوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ﴾[1]

ترجمہ: بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ جو برکت والا ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مخصوص کیا گیا روحانی مقام یعنی مسجد محض عقائد اور عبادات کے بارے میں عوامی رہنمائی کا مرکز نہیں ہے بلکہ اس میں انسانی معاشرے میں بہتری اور ترقی کے لیے تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ عملی طور پر سماج میں فلاح و بہبود کا سامان کرنے کا خاصہ بھی موجود ہے۔

اس ضمن میں مندرجہ ذیل نکات کو پیش کیا جاتا ہے۔

روزگار کی فراہمی میں مسجد کا کردار

ایک اسلامی معاشرے میں محنت کی عظمت کا اعتراف ہر قدم پر کیا گیا ہے بلکہ اگر یوں کہیے کہ جو افراد محنت کی عظمت کے منکر ہیں ان کا اسلام سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے۔اس کے علاوہ جو لوگ معیشت میں اپنا کردار ادا نہیں کرتے ہیں یا معاشرے پر بغیر کسی سبب کے بوجھ بن جاتے ہیں ایسے افراد کے لیے بھی اسلام میں سخت احکامات ہیں۔امام غزالی نے حضرت

[1] سورۃ آل عمران:96

عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ "تم میں سے کسی بھی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ رزق کی جد وجہد میں ہمت ہار جائے اور پھر پست ہو کر بیٹھ جائے[1]۔

اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾[2]

ترجمہ: اور یہ کہ انسان کے لیے نہیں ہے مگر وہی جو کچھ اس نے کمایا ۔

محنت کی اہمیت و عظمت سے متعلق قرآن اور حدیث میں بے شمار حوالے موجود ہیں۔ ان تمام آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ محنت و مشقت کرتے ہوئے یا کوئی کاروبار کرتے ہوئے اپنا اور اپنے اہل خانہ کا پیٹ پالنے میں پوری دیانت داری سے کام لے۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے اگر تمام لوگوں کو کام کرنے کے مواقع میسر ہوں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وطنِ عزیز کی اکثریت بے روزگار بیٹھی ہے اور کام چوری سستی، کاہلی یا وسائل و ذرائع کی عدم دستیابی کی وجہ سے مزدوری یا ملازمت میسر نہیں ہوتی ہے۔ قومی سطح پر شائع ہونے والے اخبار "نوائے وقت" کی رپورٹ کے مطابق صوبہ بلوچستان میں غربت کی شرح 42 فیصد، سندھ میں 34 فیصد، خیبر پختون خواہ میں 27 فیصد اور پنجاب میں 25 فیصد ہے[3]۔

اس گھمبیر معاشی صورت حال میں مسجد کا کردار اقتصادی حوالے سے بھی انتہائی اہمیت کا حامل بن جاتا ہے۔ مسجد میں امامت کی ذمہ داری حکمران اور اس کے ماتحت انتظامی عہدوں پر براجمان لوگوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔ اس لیے مسجد کے ذمہ داران کے لیے ضروری ہے کہ وہ محض اخلاقی نقطہ نگاہ سے ہی راستباز نہ ہوں بلکہ عملاً بھی راستباز ہوں۔ وہ ایک ایسے معاشرے کا قیام یقینی بنانے کی کوشش کریں جو اپنے افراد کی روحانی ضرورتوں کا کفیل اور اخلاقی اصلاح و تربیت کا ذمہ دار ہونے کے ساتھ

---

[1] احیاء العلوم، ص: 2/57

[2] سورۃ النجم: 39

[3] نوائے وقت، 14 نومبر 2018۔ یہ رپورٹ اس ویب لنک پر بھی دستیاب ہے:
https://www.nawaiwaqt.com.pk/14-Nov-2018/940555
accessed:10/09/2019

ساتھ ان کی جسمانی و اقتصادی ضرورتوں کا ذمہ دار بھی ہو۔ یہ ذمہ داری اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ قرآن مجید کی رو سے مال انسان اور انسانیت کی بقا کا وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾[1]

ترجمہ: اور بیوقوفوں کو اپنے مال مت دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے زندگی گزارنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

اس بقا کو یقینی بنانے کے لیے سیرت النبی سے بہترین مثال یہ ملتی ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد نبی ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی اور اس میں انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات قائم کی تاکہ مہاجرین کے معاشی مسائل کو حل کرنے کے لیے اقدام کیے جا سکیں۔ مسجد میں آپ ﷺ نے امیر اور غریب کو ایک دوسرے کے ساتھ ایک ایسے رشتے میں باندھ دیا جس کی وجہ سے مدینہ کے تمام نئے اور پرانے باسیوں نے کبھی بھی معاشی تنگدستی کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے مسجد میں آنے والے تمام افراد کے معاشی مسائل کو حل کرنے کے لیے مسجد کے انتظامیہ پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

مسجد انتظامیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں محض نماز اور معمول کے دروسِ قرآن کا ہی اہتمام نہ کرے بلکہ نمازیوں کے مابین سماجی یگانگت پیدا کرنے کے لیے بھی مختلف پروگرام منعقد کرے۔ اکثر لوگ معاشی تندستی اور اقتصادی مسائل کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور مساجد کا رخ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو مساجد میں دوسرے اصحابِ ثروت کے ساتھ ملاقات کرنے کا موقع تبھی مل سکتا ہے اگر ایسی ملاقات کو ممکن بنانے کے لیے مسجد میں سماجی شعور کی بیداری سے متعلق پروگرام چلائے جائیں۔ ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے جس میں امیر اور غریب ایک دوسرے کے لیے سہولت کار بن جائیں۔ غریب اپنی محنت اور اپنے ہنر کے ذریعے امیر کی خدمت کرے اور امیر اس کو اپنا دینی بھائی سمجھ کر اس کا پورا معاوضہ ادا کرے۔ اس صورت میں دونوں طبقات کا نظام بخوشی چلتا رہے گا۔ اس کی عملی مثال بھی مواخاتِ مدینہ کے بعد کے حالات سے ملتی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری لکھتے ہیں:

"مدینے میں جو نیا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا اس میں امیر اور غریب دونوں کو جدوجہد کے یکساں مواقع حاصل تھے۔ اس معاشرے میں اسلامی عقیدے کی شکل میں ایک ایسی مضبوط قوت موجود تھی جس نے

[1] سورۃ النساء: 5

طبقاتی کشمکش کو پیدا ہونے سے روکا۔۔۔ ہجرت کرنے کے بعد جو سب سے بڑا مسئلہ ابھر کر سامنے آیا وہ ان مہاجرین کے لیے معاش کا بندوبست تھا۔۔۔ انصار نے اس موقع پر مہاجرین کی مدد کی[1]۔

چنانچہ یہ ممکن ہے کہ انتظامیہ اپنے نمازیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل ملواتی رہے۔ اس کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مساجد میں نمازیوں کی تعداد بڑھتی رہے گی کیونکہ معاش کی پریشانی کو حل کرنے کے لیے جب مسجد ایک مفید کردار ادا کرنا شروع کرے گی تو لوگ مساجد کا رخ کریں گے۔

اسی ضمن میں ایک دوسرا قدم یہ اٹھایا جاسکتا ہے کہ مسجد میں آنے والے نمازیوں سے فلاح وبہبود کی مد میں ماہانہ یا ہفتہ وار بنیادوں پر کچھ فنڈ جمع کیا جائے۔ اس فنڈ کو مسجد کے نمازیوں کے لیے مختص کیا جائے اور جب کوئی نمازی کسی ایمرجنسی کا شکار ہو جائے تو اس کو قرضِ حسنہ کے طور پر ایک معقول رقم دے دی جائے۔ اس مقصد کے لیے مسجد کی انتظامیہ ایک مخصوص ٹیم بنا سکتی ہے جو متعلقہ شخص کے مسئلہ کی تحقیق کرنے کے بعد اس کو قرض حسنہ جاری کرنے کی سفارش کرے اور یہ رقم صحیح شخص تک پہنچ جائے۔

طبی خدمات کے حوالے سے مسجد کا کردار

مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ہی ترجیح دی جاتی ہے۔ دیگر ادیان و مذاہب میں عبادت خانے صرف پوجا پاٹ کے لیے ہی مستعمل ہیں۔ اسلام نے مسجد کو محض ایک عبادت خانے کے طور پر متعارف نہیں کروایا ہے بلکہ اس میں دیگر کئی امور کی انجام دہی بھی ممکن بنائی۔ انہی امور میں سے ایک پہلو مسجد میں طبی کیمپ لگانا اور اس کے ذریعے بیماروں کا علاج کرنا بھی ہے۔ ایسے طبی کیمپوں کی مدد سے مندرجہ ذیل کام کیے جاسکتے ہیں:

1. مختلف قسم کے میڈیکل ٹیسٹ
2. بلڈ بینک کے لیے خون کو جمع کرنا
3. مختلف بیماریوں کے علاج کے لیے ادویات مہیا کرنا

---

[1] ڈاکٹر ضیاء العمری، مدنی معاشرہ عہدِ رسالت میں، اردو ترجمہ، عزانسیم فاروقی، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، طبع جولائی 2005، اسلام آباد110، 111

4. صحت اور بیماری سے متعلق عوام میں شعور اجاگر کرنا

ان کے علاوہ بھی متعدد کام کیے جاسکتے ہیں جن کا تعلق رفاہ عامہ کے ساتھ ہے۔ضروری نہیں کہ اس کے لے مسجد کے لیے کسی ڈاکٹر کا مستقل بندوبست کیا جائے بلکہ یہ کام وقتاً فوقتاً کیا جاسکتا ہے۔البتہ ذہنی امراض جن میں ڈپریشر سرِ فہرست ہے، کے لیے صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے روحانی آسودگی۔روحانی آسودگی کے حصول کے لیے مسجد کے امام یا مفتی کی رہنمائی انتہائی ضروری ہے۔اس کے لیے ہر وقت امام یا مفتی کے دروازے لوگوں کے لیے کھلے رہنے چاہییں۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ڈپریشن کے مریض کئی برس تک مختلف ادویات استعمال کرتے رہتے ہیں لیکن ان ادویات سے ان کو چھٹکارا نہیں ملتا ہے۔الٹا ان ادویات کی وجہ سے ان کے گردے مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔حالانکہ ڈپریشن ایک ذہنی اور قلبی بیماری ہے۔اس کا علاج قرآن مجید میں بتادیا گیا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾[1]

ترجمہ: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے اور ایسی چیز آئی ہے جس میں سینوں کے لیے شفا ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے مومنین کے لیے۔

اسی طرح نبی نے بھی فرمایا کہ دو شفاؤں کو مضبوطی سے تھالو۔یہ دو شفائیں قرآن اور شہد ہیں[2]۔امام سیوطی فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس حدیث میں طبِ بشری اور طبِ الٰہی، دونوں کو یکجا کر دیا ہے[3]۔

خود نبی کی کئی مثالیں موجود ہیں جن کے مطابق آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے اور لوگ آپ کے پاس اپنی بیماریوں کے علاج کے بارے میں رہنمائی لینے کے لیے آتے تھے۔بعض مسائل میں تو آپ ﷺ خود ان بیماروں کے لیے دعا فرماتے جس سے ان کو شفا مل جاتی تھی۔

---

[1] سورۃ یونس:57

[2] سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4352

[3] جلال الدین السیوطی،، المنہج السوی، تحقیق حسن الاھدل، ص: 307

ڈپریشن کے حوالے سے یہ بات معروف ہے کہ اس میں ذہنی طور پر پریشانی اور قلبی طور پر بے سکونی سے واسطہ پڑتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے اس کا علاج نماز کا قائم کرنا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ

((جعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ))[1]

ترجمہ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾[2]

ترجمہ: خبر دار اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

قلبی سکون کے حصول کے لیے مسجد میں آنے والا شخص جب عبادات میں محو ہوتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی اس کو نفسیاتی طور پر بھی سکون کی جانب مائل کرے۔ اس ضمن میں مسجد کا امام یا خطیب اپنا موثر کردار ادا کر سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ مسجد میں بیماروں کے علاج کا کیمپ بھی لگایا جا سکتا ہے اور اس ضمن میں مسجد کا صحن انتہائی مثبت ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال بھی سیرت النبی سے ملتی ہے کہ غزوہ خندق میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو پر حسان بن عرفہ نامی مشرک نے تیر مارا جو ان کے بازو کی رگ میں پیوست ہو گیا۔ جنگ ختم ہوئی تو دیکھا گیا کہ ان کا زخم زیادہ گھمبیر ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں ان کے لیے ایک خیمہ لگایا اور ان کو اسی خیمے میں رکھا۔ اس خیمے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ:

((اللهم إنك تعلم انه ليس احد احب إلي ان اجاهدهم فيك, من قوم كذبوا رسولك صلى الله عليه وسلم واخرجوه , اللهم فإني اظن انك قد وضعت الحرب بيننا

---

[1] مسند احمد، ص:5/464، (صححہ الالبانی فی صحیح الجامع:3098)

[2] سورۃ الرعد:28

وبينهم فإن كان بقي من حرب قريش شيء , فابقني له حتى اجاهدهم فيك , وإن كنت وضعت الحرب فافجرها واجعل موتتي فيها))[1]

ترجمہ: اے اللہ! تجھے خوب معلوم ہے کہ جس قوم نے تیرے نبی ﷺ کی تکذیب کی اور ان کو اپنے وطن سے نکالا، اس قوم کے ساتھ قتال کرنے سے زیادہ مجھے اس دنیا میں اور کوئی چیز عزیز نہیں ہے۔ اگر قریش کے ساتھ آئندہ بھی ہماری کوئی جنگ ہوگی تو مجھے مزید زندگی عطا فرما لکن اگر تو نے اس جنگ کو اختتام پذیر کر دیا ہے تو میرے زخموں کو ایک مرتبہ پھر تازہ کر دے اور مجھے اسی زخم سے موت عطا فرما۔

ان کے سینے کا مرکز ایک مرتبہ پھر تازہ ہو گیا۔ اسی مسجد میں قبیلہ بنو غفار سے تعلق رکھنے والے صحابہ کا خیمہ بھی لگایا گیا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سعد اپنے خیمے میں لیٹے ہوئے تھے کہ ایک بکری اپنا پاؤں ان کے زخم پر رکھ کر اوپر سے گزر گئی جس سے خون جاری ہو گیا[2]۔ یہ خون بنو غفار کے خیمے کی طرف گیا تو انھوں نے گھبرا کر حضرت سعد اور ان کی دیکھ بھال کرنے والوں کو اطلاع کی، اسی خون کے بہہ جانے سے سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔

مسجد میں رہائش

مسجد میں ان لوگوں کے لیے رہائش کا انتظام کیا جا سکتا ہے جو دینی یا دنیوی علوم کے حصول کے لیے آئے ہوں۔ اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی زندگی سے ہمیں بہترین مثال اصحابِ صفہ کے حوالے سے مل جاتی ہے۔ ان لوگوں کے لیے نبی اکرم ﷺ نے مسجد نبوی کے کنارے پر ایک جگہ مخصوص کر لی۔ اس کے سائبان کی وجہ سے اس کو صفہ کہا جاتا ہے۔ یہ در اصل ایک کھلی اقامتی درس گاہ تھی جس میں ہر عمر کا فرد تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت اس میں اقامت گزیں ہو گئی جس نے اپنی پوری زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی تھی[3]۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب، ومخرجہ الی بنی قریظۃ ومحاصرتہ ایاھم، ص:5/112، حدیث نمبر4122

[2] فتح الباری، ص:7/518

[3] بصیر احمد ناصر، پیغمبر آخر و اعظم، فیروز سنز، لاہور، ص:416

تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے یہ جگہ دن کے وقت ایک ادارے کا کام دیتی تھی اور رات کے وقت ان لوگوں کے لیے بدارالاقامۃ کا کردار ادا کرتی تھی جو بالکل بے خانماں تھے[1]۔

اس مثال کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ مسجد کو مستقبل چند لوگوں کا گھر بنا دیا جائے۔اس رہائش کی نوعیت عارضی ہو گی کیونکہ صفہ میں ان لوگوں کو ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے بھیج دیا جاتا تھا جن کی تعلیمی استعداد اس قابل ہو جاتی تھی کہ وہ اپنے تبلیغی اور تدریسی فرائض سر انجام دے سکیں[2]۔اس کے علاوہ جو لوگ بے گھر ہوں وہ وقتی طور پر اس وقت تک مسجد میں قیام کر سکتے ہیں جب تک وہ اپنے لیے رہائش کا بندوبست نہیں کر سکتے۔ان کو اس بات کی ترغیب دی جائے گی کہ وہ جتنی جلدی ہو سکے، مسجد کے بجائے اپنی الگ سے رہائش کا انتظام کریں تاکہ مسجد کی صفائی اور تقدس کو قائم رکھا جا سکے۔

اس ضمن میں ایک روایت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ملی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے عہد میں لوگ آپ ﷺ کے پاس آتے اور اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھتے تھے۔ان کو دل کر میرا دل چاہتا تھا کہ مجھے بھی خواب آئے اور میں بھی آپ ﷺ سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھوں۔میں اس وقت ایک غیر شادی شدہ جوان لڑکا تھا اور مسجد میں سویا کرتا تھا۔ایک روز میں مسجد میں سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب دیکھا کہ دو فرشتوں نے آکر مجھے پکڑ لیا ہے اور مجھے جہنم کی طرف لے گئے ہیں۔۔۔نبی ﷺ نے اس خواب کے بارے میں سن کر فرمایا کہ عبد اللہ ایک نیک انسان ہے۔اس کو چاہیے کہ وہ تہجد کی نماز پڑھنا شروع کر دے[3]۔

مسند احمد روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں عارضی قیام کرنے میں ابن عمر تنہا نہیں تھے بلکہ ان کے علاوہ بھی کئی لوگ ایسے تھے جو دن کے وقت یا رات کے وقت مسجد میں سو جایا کرتے تھے[4]۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مسجد میں سونے کی روایت امام بخاری نے نقل فرمائی ہے جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ گھر میں موجود نہیں ہیں۔

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع 1992، ص:248

[2] ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی، طبع 1987، ص:196

[3] صحیح مسلم، حدیث نمبر 6370

[4] مسند احمد، ص: 1/70

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تمہارے چچا کے بیٹے کہاں ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ ناگواری پیش آگئی اور وہ مجھ پر خفا ہو کر کہیں باہر چلے گئے ہیں اور میرے یہاں قیلولہ بھی نہیں کیا ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کو تلاش کرو کہ کہاں ہیں؟ وہ آئے اور بتایا کہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔علی رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے، چادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو سے گر گئی تھی اور جسم پر مٹی لگ گئی تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسم سے دھول جھاڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے اٹھو ابوتراب اٹھو[1]۔

اس ضمن میں ایک روایت حضرت عائشہ سے بھی ملتی ہے جس کے مطابق خواتین کے لیے بھی مسجد عارضی قیام گاہ بن سکتی ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ:

((اسلمت امراۃ سوداء لبعض العرب و کان لھا حفش فی المسجد))[2]

ترجمہ:ایک کالی عورت جو کسی عرب کی باندی تھی اسلام لائی اور مسجد میں اس کے رہنے کے لیے ایک کوٹھری تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت بھی مسجد میں قیام کر سکتی ہے اور اس کے لیے مسجد میں خیمہ بھی نصب کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ فتنہ و فساد کا خدشہ نہ ہو۔امام صنعانی[3] اور شیخ عبد اللہ بسام[4] اسی موقف کو ترجیح دیتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ ، باب نوم الرجال فی المسجد ، ص:1/96،حدیث نمبر 441

[2] صحیح بخاری، کتاب مناقب الأنصار ، باب أیام الجاھلیۃ ص:5/42،حدیث نمبر 3835

[3] صنعانی، سبل السلام، ص:1/353

[4] شیخ عبد اللہ بسام، توضیح الاحکام، ص:2/133

علاوہ ازیں اگر امام اور خطیب کا تعلق کسی دوسرے ضلع سے ہو تو اس صورت میں رہائش ان دونوں حضرات کے لیے ایک مسئلہ کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ ان کی تنخواہیں چونکہ کم ہوتی ہیں اس لیے کرائے کا مکان ان کے لیے بھاری اخراجات کا سبب بن سکتا ہے۔ مسجد انتظامیہ کے لیے لازم ہے کہ وہ ائمہ اور خطبا کو مسجد میں رہائش کا انتظام کر کے دیں تاکہ وہ ہمہ وقت مسجد کی خدمت کے لیے موجود رہ سکیں خود نبی اکرم ﷺ نے امہات المومنین کے حجرے مسجد نبوی میں ہی تعمیر کروائے تھے۔ آپ ﷺ امام اور خطیب تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا تھا کہ:

" کیا امام صاحب مسجد کے حدود کے اندر اپنی زوجہ اور چھوٹے بچوں کے ساتھ رہ سکتے ہیں جب کہ آمدو رفت مسجد کے مین گیٹ سے ہے اور رہائش وضو خانہ کے اوپر بنے کمروں میں ہے؟"

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ

"اگر مسجد کی کمیٹی یا ذمہ داران کی طرف سے امام صاحب کو مسجد کے وضو خانہ کے اوپر بنے ہوئے کمرے میں گھر والوں کے ساتھ رہنے کی اجازت ہے، تو امام صاحب کے لیے رہنے کی اجازت ہے؛ البتہ امام صاحب کی اہلیہ کے لیے ضروری ہے وہ مکمل پردے کا اہتمام کریں[1]۔

محکمہ اوقاف کی مساجد کو سماجی فلاح و بہبود کا مرکز بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان مساجد میں وہ تمام امور انجام دیے جائیں جن کا تعلق رفاہِ عامہ کے ساتھ ہے۔ ان مساجد میں عوام کو روزگار فراہم کرنے کے پروگرام شروع کیے جا سکتے ہیں۔ میڈیکل کیمپ لگائے جا سکتے ہیں، بے گھر لوگوں کے لیے عارضی رہائش کا انتظام کیا جا سکتا ہے اور ان میں نت نئے اسالیب میں تعلیمی منصوبے شروع کیے جا سکتے ہیں۔

---

[1] سوال نمبر 66571، جون 25، 2016ء

آن لائن اشاعت

http://www.darulifta-deoband.com/home/ur/Waqf-Mosque-Madrasa/66571
accessed:02/01/2020

فصل چہارم: اشاعتِ دین کی نئی جہتیں

رسول ﷺ نے دین کی اشاعت اور تبلیغ کے لئے زبان وبیان کے وہ سارے ذرائع استعمال کئے یا اجازت دی جو جاہلی معاشرہ میں رائج تھی، چاہے وہ خطابت ہو یا شعر، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے میلوں اور بازاروں میں بھی تشریف لے گئے اور دین کی دعوت پیش کی۔ اس بنا پر یہ پورے اطمینان سے کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کے حکم کو بلند کرنے اور دین کو عام کرنے کے انٹرنیٹ اور سٹیلائٹ ٹی وی کو کام میں لانا عصری تقاضوں کے عین مطابق اور وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس فصل میں ان جہات کو ذکر کیا جائے گا جن کے زریعے عصر حاضر میں دین کی اشاعت کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔

اسلام میں اشاعت دین کیلئے جدید جہات استعمال کرنے کی ترغیب

اسلام نے وسائل کو اپنانے کی ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اور ایسا کرنے کیلئے ثواب مقرر کیا ہے۔ ضروری اور مصلحت پر مبنی ذرائع اختیار کرنے میں سستی کرنے سے بچنے کو کہا ہے۔ نزول وحی کی ابتدائی آیات میں دعوت دین کے عظیم ذریعہ قلم کو ذکر کیا ہے۔

﴿اقْرَأْ وَرَبُّكَ الأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾[1]

ترجمہ: پڑھیئے، اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے۔ جس نے قلم کے زریعے علم سکھایا۔

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾[2]

ترجمہ: ن، قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جو وہ لکھتے ہیں۔

اللہ تعالی نے ممکنہ ذرائع کو جہاد فی سبیل اللہ میں اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾[3]

ترجمہ: اور ان کیلئے جس حد تک کرسکو طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اسلحہ سازی میں حالات کے مطابق ترقی کی جائے کیونکہ یہ حکم عام ہے مشروط نہیں ہے۔ اسے استطاعت اور طاقت کیساتھ مربوط کیا گیا ہے۔ مسلمانوں میں ارتقاء کی جتنی صلاحیت ہے اس کے مطابق اسلحہ سازی ان پر فرض ہے۔

---

[1] سورۃ العلق:3-4

[2] سورۃ القلم:1

[3] سورۃ الانفال:60

انبیاء کرام اور جدید ذرائع کا استعمال

انبیاء کرام نے نہ صرف حالات کے موافق ذرائع کو استعمال کرنے کی ترغیب دی ہے بلکہ بذات خود ان سب کو مختلف انداز میں میدان دعوت اور مختلف عبادتوں میں استعمال بھی کیا ہے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا عصا، صالح علیہ السلام کی اونٹنی، سلیمان علیہ السلام کا محل، بلقیس کے تخت کو لانا، نوح علیہ السلام نے کشتی کو استعمال کیا۔

اس سلسلے میں نبی ﷺ کی احادیث اور واقعات کا سلسلہ تو بہت طویل ہے مثلاً آپ ﷺ نے ایک وضاحتی ذریعہ کے طور پر ریت کے ٹیلے پر خاکہ تیار کیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی پھر اس کے دائیں اور بائیں کئی لکیریں کھینچی۔[1]

دوران حج رسول ﷺ نے ربیعہ بن امیہ بن خلف رضی اللہ عنہ کی آواز کے ذریعے لوگوں تک بات پہنچائی۔ اگر کوئی اور واضح ذریعہ بات کو ذہن نشین کرنے کے لئے میسر نہیں آیا تو آپ ﷺ نے سامنے پڑی کنکریوں ہی سے کام لیا۔[2]

اشاعت دین کے لئے اپنے دور کے بہترین وسائل جن کے استعمال میں کوئی شرعی یا اخلاقی قباحت نہ ہو، اشد ضروری ہے۔ اشاعت دین کے وہ طریقے جو قدیم ادوار میں مروج تھے، ان کا استعمال دور جدید میں ایسا ہی ہے جیسا کہ میدان جنگ میں ایٹم بم اور لیزر گائڈڈ میزائلوں کا مقابلہ تلوار اور نیزے سے کرنے کی کوشش کرنا۔ تعلیم و تبلیغ میں ایسے وسائل ایجاد ہو چکے ہیں جن کی مدد سے سالوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا کام دنوں میں پہلے سے بہت اعلیٰ معیار کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

ان میں ٹیلی فون، ریڈیو، ٹیلی وژن، آڈیو اور وڈیو کیسٹ، پریس، ٹیلکس، فیکس، کمپیوٹر، ویب سائٹس، ای میل، انٹرنیٹ ڈسکشن گروپس، اور ٹیلی-ویڈیو کانفرسنگ شامل ہیں۔

اشاعت دین کیلئے ضروری ہے کہ ان وسائل کو دینی کاموں میں بھی بھرپور طریقے سے استعمال کیا جائے۔ ائمہ مساجد دعوت دین کی اشاعت کے لئے ان میں سے کس ذریعے کو کہاں استعمال کرے، اس کا انحصار اس کے دعوتی مقاصد، دعوت کی وسعت، مخاطبین کی تعداد اور دعوتی پیغام کی نوعیت پر ہے۔ ہمارے معاشرے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دعوت دین کے ان جدید وسائل کو استعمال کرنا بے برکتی کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام وسائل کو شیطانی اور طاغوتی قوتیں اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کر رہی ہیں مگر دینی کاموں میں ان کا عشر عشیر بھی استعمال بھی نہیں ہو رہا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ شیطانیت تو آج گھر گھر اپنے پنجے گاڑ چکی ہے اور ہم صرف ان جدید جہات پر تنقید کی حد تک مقید ہو گئے۔

---

[1] مسند 1/435

[2] معجم کبیر طبرانی 1/172 حدیث نمبر 11399

بعض دینی حلقوں میں خدا جانے یہ خیال کہاں سے پھیل گیا ہے کہ تبلیغ کا معیاری اور پیغمبرانہ طریقہ یہ ہے کہ آدمی ہاتھ میں ایک لٹھیا اور جھولی میں تھوڑے سے چنے لے لے اور تبلیغ کے لئے نکل کھڑا ہو۔ نہ پاؤں میں جوتی ہو، نہ سر پر ٹوپی، گاؤں گاؤں میں پھرے اور جس جگہ کوئی شخص مل جائے، خواہ وہ سنے نہ سنے، اس پر تبلیغ شروع کر دے۔ اگر کسی شہر میں گزر ہو تو وہاں جس نکڑ یا چوراہے پر چار آدمی نظر آجائیں، وہیں تقریر کے لئے کھڑا ہو جائے۔ ریل میں، اسٹیشن پر، بازار میں، سڑک پر، جس جگہ کوئی بھیڑ مل جائے، وہیں اس کا وعظ شروع ہو جائے۔ ہر مجلس میں گھس جائے، ہر کانفرنس میں اپنی جگہ پیدا کر لے، ہر پلیٹ فارم پر جا دھمکے۔ سننے والے تھک تھک جائیں، لیکن وہ سنانے سے نہ تھکے۔ لوگ اس کے تعاقب سے گھبرا گھبرا جائیں، لیکن وہ خدائی فوجدار بنا ہوا ہر ایک کے سر پر مسلط رہے۔ لوگ اس کے سوال و جواب کے ڈر سے چھپتے پھریں، بلکہ بسا اوقات آزردہ ہو کر گستاخیاں اور بدتمیزیاں بھی کر بیٹھیں، لیکن وہ اسی انہماک و جوش کے ساتھ اپنا کام جاری رکھے۔ جہاں وعظ کی فرمائش کی جائے، وعظ کہہ دے، جہاں میلاد کی خواہش کی جائے، میلاد پڑھ دے اور جہاں مخالفین و منکرین سے سابقہ پڑ جائے، وہاں خم ٹھونک کر میدان مناظرہ میں اتر پڑے۔ یہ ہے تبلیغ کا اصلی طریقہ اور یہ ہے ایک سچے مبلغ کی صحیح تصویر جو ہمارے بہت سے دین دار لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہے۔ تعلیم و تبلیغ کے موجودہ ترقی یافتہ اور سائنٹفک طریقوں کے تھوڑے بہت مفید ہونے سے ممکن ہے یہ لوگ منکر نہ ہوں، لیکن خیر و برکت والا طریقہ ان کے نزدیک یہی ہے جو ان کے خیال میں حضرات انبیا نے اختیار فرمایا۔

امین احسن اصلاحی [1] اس صورتحال کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "ہمارے نزدیک اس طریقہ کو انبیاء کا طریقہ سمجھنا کچھ تو انبیاء کے طریقے سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے اور کچھ ان حضرات کی اس خواہش کا کہ ان کا اپنا اختیار کیا ہوا طریقہ، جس کے سوا کسی اور طریقے کو اختیار کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں، ایک محترم و مقدس طریقہ ثابت ہو جائے۔ انبیاء کے طریقہ تبلیغ کا جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے، اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے تبلیغ کے جو طریقے اختیار کئے ہیں، وہ ان کے زمانوں کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ و ترقی یافتہ طریقے تھے اور یہ طریقے حالات کے تغیر اور تمدنی ترقیوں کے ساتھ ساتھ بدلتے بھی رہے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس معاملہ میں کسی ایک ہی طریق پر اصرار صحیح نہیں ہے، بلکہ داعیان حق کو چاہئے کہ وہ ہر زمانے میں تبلیغ و تعلیم کے

---

[1] امین احسن اصلاحی پیدائش:1904 میں پیدا ہوئے، مدرسہ فراہی کے ایک جلیل القدر عالم دین، مفسر قرآن اور ممتاز ریسرچ سکالر تھے۔ آپ امام حمید الدین فراہی کے آخری عمر کے تلمیذ خاص تھے۔ 15 دسمبر 1997 کو وفات پائے۔
/https://ur.m.wikipedia.org/wiki
accessed:04/04/2020

وہ طریقے اختیار کریں جو ان کے زمانوں میں پیدا ہو چکے ہوں اور جن کو اختیار کر کے وہ اپنی کوششوں اور قابلیتوں کو زیادہ سے زیادہ مفید اور نتیجہ خیز بنا سکتے ہوں"[1]

جہاں تک اشاعت دین کیلئے ان وسائل کے استعمال کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ وسائل انتہائی مفید ہیں۔ ہمیں رسول ﷺ کی امت ہونے کے ناطے اس بات کا مکلف بنایا گیا ہے کہ دین کی دعوت ساری دنیا کے لوگوں تک پہنچائیں، بلکہ ہمیں "خیر امت" یعنی بہترین امت کا خطاب اسی بنیاد پر دیا گیا ہے کہ اللہ پر ایمان کے بعد **امر بالمعروف و نہی عن المنکر** کے فریضہ کو بہتر طور پر انجام دیں، اللہ کا ارشاد ہے

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾[2]

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

اگر ہم اشاعت دین کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے انٹرنیٹ اور فضائی ٹی وی چینلز کا استعمال کما حقہ کر سکتے ہیں، تو بآسانی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں اور ایک ہی وقت میں دنیا کے مختلف حصوں میں کروڑوں لوگوں کو مخاطب کر سکتے ہیں۔

کچھ لوگ ان وسائل کے سلسلے میں بے بنیاد شکوک و شبہات کے شکار ہیں اور انہیں استعماری طاقتوں کا حربہ، فسق و فجور کا آلہ اور گمراہ کن افکار و نظریات کا ذریعہ سمجھ کر یکسر رد کر دیتے ہیں، جب کہ ان کا یہ موقف کسی اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ وسائل خود اپنی جگہ پر محض خیر یا شر کے لیے نہیں ہوتے، ان کے باعث خیر یا شر ہونے کا فیصلہ، جائز یا ناجائز کاموں میں اس کے استعمال سے ہو گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ معاشرہ کو ان وسائل سے پاک نہیں کیا جا سکتا، اور اگر ہم انہیں خیر کے لئے نہیں اپناتے ہیں تو یہ محض دشمنان دین واخلاق کے لئے باطل و مذموم مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنے رہیں گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ وسائل کے باب میں اصل ان کا مباح ہونا ہے، اور اگر کسی شرعی غرض و غایت کے لئے ان کی افادیت ظاہر ہو جائے تو ان کا اختیار کرنا واجب ہے بشرطیکہ کوئی چیز ان کو مباح قرار دیئے جانے میں حائل نہ ہو۔

عصر حاضر میں جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال اسلام کی حسین و جمیل صورت کو مسخ کرنے کے لیے بھی کیا جا رہا ہے اس لیے مذہب اسلام کی ترویج واشاعت کے ساتھ ساتھ اس کی حمایت اور بیرونی حملوں سے اس کی حفاظت ہر دور میں مجموعی طور

---

[1] امین احسن اصلاحی، دعوت دین اور اسکا طریقہ کار،
https://search.yahoo.com/search
Accessed:02/03/2020

[2] سورۃ آل عمران:10

پر قوم پر واجب ہے۔ حالات وزمانے کے لحاظ سے اس فرض کی ادائیگی میں قدیم ذرائع کے ساتھ ساتھ جدید ذرائع ابلاغ کی شمولیت بھی ضروری ہے۔ عصر حاضر میں ان جدید وسائل کو اشاعت دین کے لیے استعمال کرنانہایت اہمیت کا حامل ہے۔
جدید جہات میں اشاعت دین کے لیے جو چیز سب سے زیادہ کار آمد ثابت ہو سکتی ہے۔انکی تفصیل درج ذیل ہیں:

میڈیا

میڈیاکی حیران کن ترقی نے دنیابھر کی طرح پاکستان کو بھی شدید متاثر کیاہے۔اس نے ہر معاشرے کی طرح ہمارے ہاں بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ میڈیاکے طاقتور اثرات کی وجہ سے معاشرتی رویے تبدیل ہوئے ہیں جبکہ اس نے بعض روایات کو بدلنے میں بھی اہم کردار ادا کیاہے۔ میڈیاکے معاشرے پر بے پناہ اثرات کی وجہ سے ہی آج کے دور کو ذرائع ابلاغ کادور قرار دیاجاتاہے۔ ذرائع ابلاغ کی مختلف صورتیں ہیں۔الیکٹرانک میڈیاٹی وی چینلز، سی ڈی اور دیگر ویڈیوز، براڈکاسٹ یعنی ریڈیو، سائبر میڈیا(انٹرنیٹ)، پرنٹ میڈیا(اخبار، رسائل وغیرہ)اسی طرح موبائل فونزاور دیگر ذرائع کے ذریعے پیغام رسانی بھی زرائع ابلاغ کا حصہ ہیں۔ حکومتیں، ادارے، تنظیمیں اور مختلف افراد میڈیاکو اپنے پیغامات کی اشاعت، نظریات کے فروغ، سماجی اور ثقافتی تبدیلیوں حتی کہ بعض اوقات جنگی مقاصد کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔ترقی یافتہ دنیامیں میڈیاکو باقاعدہ منصوبہ بندی سے استعمال کرنے کا آغاز کئی دہائیاں پہلے ہوچکا تاہم ہمارے ہاں الیکٹرانک میڈیااور انٹرنیٹ کی آمد کو ابھی چند سال ہی ہوئے ہیں۔ یہ ایک نیا چیلنج ہے کہ جس نے ہمارے معاشرے کے دیگر طبقات کی طرح دینی حلقوں کو بھی متاثر کیاہے۔ میڈیاکی روایتی پریکٹس اور تفریحی مواد کی زیادتی کے باعث اسے اسلام اور سماج مخالف سمجھ لیاگیاہے اور بہت سے حلقے توتمام تر برائیوں کی جڑ میڈیاکو قرار دیتے ہیں،ایسالگتاہے کہ دینی حلقوں میں یہ بات سرایت کر چکی ہے کہ میڈیاہمارے معاشرے میں الحاد، فحاشی، غیر اسلامی روایات اور ایسی ہی منفی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے تیار کردہ ایک سازش کا حصہ ہے اور اس سے صرف اور صرف وہی کام لیاجاسکتاہے جو کہ آجکل پاکستانی، بھارتی اور مغربی میڈیاپر نظر آرہاہے،یہی وجہ ہے کہ دینی حلقے اس سے دور نظر آتے ہیں۔ میڈیاکے خلاف تقاریر، تحریروں کی بھرمار ہے حتی کہ فتوے بھی سامنے آئے ہیں لیکن اس کے اثرات کم ہونے کی بجائے مزید بڑھتے ہی جارہے ہیں۔ تاہم کچھ مخلص حلقوں نے میڈیاکے میدان میں دینی حوالے سے سرگرمی دکھائی ہے اور اسی لیے اب کہیں کہیں میڈیاکو سمجھنے اور اس کے درست استعمال کی کوششیں بھی نظر آتی ہیں۔ حالات کی ٹھوکروں نے میڈیاکی اہمیت توباور کرادی ہے لیکن دینی طبقہ ابھی تک میڈیاکے بنائے ہوئے ماحول کو سمجھنے اور اس کی موجودہ پریکٹس میں اپنے لیے راہ تلاش کرنے میں ناکام رہاہے۔ یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اگر میڈیاٹیکنالوجی کو دینی علوم رکھنے والے افراد مکمل پیشہ ورانہ اصولوں کے ساتھ استعمال کریں تو اسے اشاعت دین کے لیے باآسانی استعمال کیاجاسکتاہے۔ مثال کے طور پر ایک ہوائی جہاز آپ کو یورپ کے عشرت کدوں یاعیاشی

کے اڈوں میں لے جاسکتا ہے اور وہی مکہ مکرمہ میں حج کے لیے بھی لے جاسکتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ آپ نے کونسی سمت منتخب کی ہے اور پائلٹ کو کیا ہدایات دی ہیں۔ میڈیا ٹیکنالوجی بھی ہوائی جہاز، موٹر کاروں اور دیگر سہولیات کی طرح ایک ایجاد ہی ہے۔ چند آلات بنائے گئے ہیں کہ جن کو پیغام رسانی، اپنے نظریات کے فروغ اور ان کو پھیلانے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اگر آپ اس کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کریں گے تو یہ آپ کا نظریہ اور پیغام ہر سو پھیلادے گا اور اگر اس سے دور رہ کر محض تنقید سے کام چلانے کی کوشش کی تو یہ اتنا طاقتور ہے کہ آپ کی آواز کو گمنام بنادے گا یا آپ خود ہی اس کے اثرات کے سامنے خاموش ہو جائیں گے۔

آج کے دور میں ہم میں سے کسی نے بھی ایسا شخص نہیں دیکھا ہوگا جو مکمل خلوص اور محض ثواب کے جذبے کے تحت حج پر پیدل جانا چاہتا ہو، علمائے کرام سمیت ہر کوئی جہاز یا اور کوئی تیز ترین ذریعہ استعمال کرے گا۔ آج ہم گاڑیوں، کمپیوٹرز اور ایسی ہی دیگر چیزوں سے صرف اس لیے دور ہونا پسند نہیں کریں گے کہ ان کا غلط استعمال بھی ہوتا ہے، یہی حال میڈیا ٹیکنالوجی کا ہے۔ یہ تو دعوت کو تیز ترین طریقے سے بڑے پیمانے پر پھیلا دینے کا ہتھیار ہے۔ اگر ملحدین اپنا پیغام پھیلانے کے لیے ایسا مواد تیار کرسکتے ہیں کہ جو معاشرے میں بگاڑ کا باعث بنے تو اسلامی اصولوں کے اندر رہتے ہوئے بھی ایسا مواد تیار کیا جاسکتا ہے کہ جس سے عقائد پر بھی فرق نہ آئے اور اشاعت دین کا کام بھی ہوسکے۔ شرط یہ ہے کہ اس کا استعمال سیکھ کر آلات کو مرضی کے مطابق چلانا سیکھا جائے۔ سوچ و بچار کے بعد اور بھرپور تیاری سے مواد کی تیاری کے لیے کام کیا جائے۔ کسی نہ کسی حد تک مذہبی لوگ بھی میڈیا استعمال کررہے ہیں اور اشاعت دین کا کام اپنے استطاعت کے مطابق کررہے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ان جدید ذرائع کو مثبت طریقے سے استعمال میں لاکر اشاعت دین کیلئے کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔

ریڈیو نشریات

دور حاضر میں اشاعت دین کیلئے ریڈیو نشریات کا اہم کردار ہے۔ اس نشریات کا اگرچہ وجود پہلے اقوام بھی تھا وہ لوگ شہروں، دیہاتوں اور بازاروں میں حکمرانوں کا حکم نامہ اور قبیلے کا پیغام پہنچانے کیلئے منادی بھیجا کرتے تھے۔ اگرچہ ترقی یافتہ شکل میں اور وسیع پیمانے پر اس کا وجود پہلے ادوار میں نظر نہیں آتا۔

"ریڈیو ابلاغ سے مراد ہے برقی تار کے بغیر چلنے والے آلات کے زریعے اور اس کے طرز کے دوسرے آلات تک فضائی لہروں کی وساطت سے پیغام رسائی کرنا۔"[1]

---

[1]،عدنان عرعور، دعوت دین کا طریقہ کار، مترجم ڈاکٹر عبد الرحمان یوسف، مکتبہ ابن تیمیہ لاہور، 2015، ص:374

دور جدید میں زیادہ پر کشش اور زیادہ وسیع علاقے تک پیغام رسانی کے لئے ٹی وی اور انٹرنیٹ جیسے نئے ذرائع ایجاد ہو چکے ہیں ۔اس کے باوجود ریڈیو کا کردار برابر چلا آرہا ہے۔

ریڈیو پاکستان اشاعت دین کے حوالے سے اسلامی پروگرام منعقد کررہا ہے اس حوالے اسلامی پروگرام کے منتظم نوید احمد چوہان صاحب نے ان پروگرامز کے حوالے سے رہنمائی کی۔

حی علی الفلاح پروگرام: یہ پروگرام صبح AM 6 سے AM 7 تک اس تلاوت قرآن اور نعتیہ کلام کے بعد سوالات وجوابات کی نشست ہوتی ہے جس میں لوگوں کے پوچھے گئے سوالات کے جوابات قرآن اور حدیث کی روشنی میں دیئے جاتے ہیں۔

صوت القرآن پروگرام: یہ پروگرام صبح AM5 سے AM12 تک نشر ہوتا ہے یہ اس میں قرآن کی تلاوت ترجمہ کیساتھ نشر ہوتی ہے۔

نور ہدایت پروگرام: یہ پروگرام PM 1 سے PM 1:30 تک نشر ہوتا ہے اس میں روزانہ کی بنیاد پر مختلف موضوعات پر بات ہوتی ہے۔

آؤ قرآن حکیم سیکھئے: اس پروگرام شام سات بجے نشر ہوتا ہے۔اس میں قاری صداقت علی بچوں کو تجوید کیساتھ قرآن پاک سیکھاتے ہیں۔

ٹرانسپورٹ کے مسافروں، فیکٹری کے کارکنوں، دوکانداروں اور گھریلوں خواتین کی صورت میں اسے سننے والوں کی تعداد مسلسل موجود ہے۔ یہ لوگ اور ان جیسے اور بہت لوگ اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے کتابوں اور چینلز وغیرہ کے دعوتی ذرائع استعمال نہیں کرسکتے جبکہ وہ ریڈیو کو بآسانی سن سکتے ہیں۔ ریڈیو نشریات کے ذریعے اشاعت دین کا کام اسانی سے ہوسکتا ہے داعی ایک ہی وقت میں اپنا پیغام بہت سارے لوگوں تک پہنچا سکتا ہے۔

یوٹیوب چینلز

یوٹیوب چینلز مقامی اور بین الاقوامی چینلز میں سب سے بڑا ذریعہ ابلاغ اور لوگوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ یہ باقی تمام ذرائع ابلاغ پر حاوی ہوچکے ہیں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انسانی مزاج کچھ اس طرح ہے کہ وہ آواز اور تصویر دونوں کی ایک وقت موجودگی کو پسند کرتا ہے۔ جبکہ چینلز میں اس کے ساتھ ساتھ اسلوب کا تنوع، پیش کردہ مضامین کا ذخیرہ اور انداز بیان انتہائی پر کشش ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر ذاکر نائک کا یوٹیوب چینل The merciful servent[1] ہے جس سے لوگ بہت استفادہ کرتے ہیں اور دعوت دین کی اشاعت میں معاون ثابت ہو رہا ہے۔

مفتی منک کا یوٹیوب چینل Mufti menk official[2] ان کا دوسرا یوٹیوب چینل Muslim central[3]

اپنے چینل کے ذریعے دعوت دین کا کام کر رہے ہیں۔ اسکے علاوہ بہت سارے یوٹیوب چینلز موجود ہیں جو اشاعت دین کیلیے استعمال ہو رہے ہیں۔

بلاشبہ یوٹیوب چینلز کے ذریعے اشاعت دین کا کام ترجیحی بنیادوں پر اور اچھے انداز میں ہو سکتا ہے۔ اگر یہ ذریعہ ابلاغ اختیار نہ کیا گیا تو کار دعوت دین میں بڑا خلا پیدا ہو جائے گا جسے گمراہ اور فاسق لوگ ہی پر کریں گے۔

کانفرنس

"کانفرنس سے مراد ایک موضوع سے متعلق مختلف لیکچرز کا تسلسل ہے جو ایک محدود وقت میں دیئے جاتے ہیں۔ اکثر و بیشتر یہ چند دنوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان میں لیکچر دینے والے ایک منتخب موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔"[4]

عصر حاضر میں یہ ذریعہ دعوت بہت عام ہو چکا ہے۔ نوجوان اور مہذب لوگوں کی توجہ اس طرف بڑھ گئی ہے۔ ان کانفرنسوں کے مسلمانوں پر دعوتی اثرات بھی ہوتے ہیں اور معاشرتی بھی۔ بالخصوص یورپی ممالک میں ان کے اثرات زیادہ ہیں۔ ان کانفرنسوں میں نظریات کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے۔ اس سے مسلمانوں میں بالعموم اور لیکچر دینے والوں میں بالخصوص فکری تعاون کی راہ پیدا ہوتی ہے۔ ان لیکچرز کا سامعین پر دعوتی اور علمی اثر ہوتا ہے اور انہی سے یہ فائدہ دیگر افراد میں منتقل ہوتا ہے۔

ان کانفرنس کے دوران حاضرین پر ذہنی اور معاشرتی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم ان کانفرنسوں سے اسلام کی طاقت بالخصوص علمی طاقت اور لوگوں کی آراء سے اشنا ہوتے ہیں۔ اور یہی سے کچھ غیر مسلم اپنے مذہب کو خیر آباد کہتے ہیں اور اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔

---

[1] https://www.youtube.com/results?search_query=the+merciful+servant

[2] https://www.youtube.com/results?search_query=mufti+menk+official+channel

[3] https://www.youtube.com/results?search_query=muslim+central
Accessed:13/04/2020

[4] دعوت دین کا طریقہ کار، ص:381

ورکشاپ

"تعلیمی اور دعوتی ورکشاپ سے مراد ایک محدود وقت میں طے شدہ خاکہ کے مطابق دیئے جانے والے لیکچرز ہیں۔ یہ وقت کم بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔"[1]

دور جدید میں لوگ اس سے خاصہ مستفید ہوتے ہیں۔ دعوت کا یہ طریقہ دور حاضر میں زیادہ مقبول اور مفید ثابت ہو رہا ہے اس انداز کی طرف لوگوں کی توجہ زیادہ ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ لوگ کم وقت میں زیادہ علم حاصل کرتے ہیں۔

انٹرنیٹ

انٹرنیٹ دراصل کئی چھوٹے چھوٹے کمپیوٹر نیٹ ورک اور مواصلاتی نظام کا مجموعہ ہے، اس کے ذریعہ لمحوں میں دنیا بھر کی معلومات حاصل کی جاسکتی ہے اور اس نظام سے منسلک ہر کمپیوٹر والے سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے، یا ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انٹرنیٹ کمپیوٹر کا ایسا سیٹ اَپ ہے جس کے ذریعہ اور مصنوعی سیاروں کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک کیا جاتا ہے۔

انٹرنیٹ دنیا کا سب بڑا کمپیوٹر نیٹ ورک ہے جس سے تقریباً 120 ملکوں کے 50 میلین یا 5 کروڑ افراد براہِ راست جڑے ہوئے ہیں۔

اس ترقی یافتہ دور میں جہاں کمپیوٹر ہر انسان کی ضرورت بنتا جا رہا ہے وہاں انٹرنیٹ کی اہمیت و افادیت سے کوئی نابلد نہیں ہے چند فوائد مندرجہ ذیل ہیں۔

الیکٹرانک میل: عام روایتی ڈاک کے برعکس ای میل کے ذریعے دور دراز کے ممالک میں اپنے احباب کو نہایت سستے اور سرعت کے ساتھ اپنے پیغامات دنیا کے کسی بھی گوشے میں بھیج سکتے ہیں۔

ورلڈ وائڈ ویب: یہ انٹرنیٹ کی دوسری سب سے اہم خاصیت ہے۔ جس کی مدد سے آپ گھر بیٹھے ہی دنیا بھر کی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً کسی بھی ملک کی یونیورسٹی کے مختلف شعبہ جات میں ڈگریوں کی تفصیلات، کورسیس کی معلومات، کمپنیوں کے اور دنیا کے کسی بھی کونے کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

سرچ انجن: انٹرنیٹ کا پتہ معلوم نا ہونے پر کسی خاص موضوع کو تلاش کرنے کے لیے انٹرنیٹ پر کئی سائٹس موجود ہیں۔ جن پر کسی مخصوص موضوع یا مواد یا معلومات کو تلاش کیا جاتا ہے اسے سرچ انجن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

---

[1] دعوت دین کا طریقہ کار، ص: 382

انٹرنیٹ ٹیلیفون: آپ آئی ایس ڈی(ISD) کی بجائے انٹرنیٹ فون پر انتہائی سستے داموں میں بیرون ملک میں رہنے والے اپنے عزیز واقارب سے کئی کئی منٹوں بلکہ گھنٹوں باتیں کرسکتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں بڑی بڑی کمپنیوں کے افسران اپنا آفس چھوڑے بغیر کمپیوٹر کے ذریعہ مختلف ممالک میں اپنے افسران سے میٹنگ کرتے ہیں۔

بہت ساری کتابیں، ڈکشنریاں، انسائیکلوپیڈیا اور ریسرچ جرائد بھی انٹرنیٹ پر دستیاب ہیں جن کی مجموعی تعداد ایک بہت بڑی لائبریری سے بڑھ کر ہے، کچھ ویب سائٹس ایسی ہیں جن پر لاکھوں کی تعداد میں مختلف زبانوں پر کتابیں موجود ہیں۔

اللہ نے انسان کے اندر بے پناہ تخلیقی قوتیں ودیعت کی ہیں، ان قوتوں کی وجہ سے ہر روز نئے آلات وجود میں آرہے ہیں۔ یہ آلات اچھے کاموں میں بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں اور برے کاموں میں بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں، ان آلات کا اچھے کاموں کے لیے استعمال اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال باعث شکر وامتنان ہے اور ان کا غلط استعمال کفرانِ نعمت، باعث ذلت اور سببِ فتنہ وفساد ہے۔

ہمارا یہ دور سائنسی انکشافات اور ترقیات کا دور ہے۔ انٹرنیٹ بھی ایک جدید شئے ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ اشاعت دین کے دیگر ذرائع سے منہ موڑ کر خالص انٹرنیٹ پر ہی اسلام کی تبلیغ کی جائے مگر اس نہج پر بھی کام کرنا انتہائی ضروری ہے، اس لیے کہ بنیادی طور پر میڈیا کی دو قسمیں ہیں۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا۔ الیکٹرانک میڈیا میں اشاعت دین کے لیے انٹرنیٹ سب سے مؤثر وسیلہ ہے۔ اس کے ذریعہ ہم تقریباً پونے دو سو ملکوں میں کروڑوں افراد تک بیک وقت اپنی دعوت، اپنے خیالات اور افکار ونظریات کو پہنچاسکتے ہیں۔ اگر اب بھی ہم نے دعوت کی راہ میں جدید تقاضوں سے دوری بنائے رکھی تو اس کے بھیانک نتائج ہمیں صدیوں بھگتنے ہوں گے۔

اس کے علاوہ کوئی بھی سائنسی ایجاد بذات خود جائز یا ناجائز نہیں ہوتی، بلکہ اس کے استعمال کی نوعیت اس کو جائز وناجائز بناتی ہے، بالکل اسی طرح انٹرنیٹ کا غلط استعمال ناجائز ہوگا اور اس کے ذریعہ دین وملت کی اشاعت مقصود ہو تو جائز ہی نہیں بلکہ امر مستحسن ہوگا اور یہ بات بھی تسلیم کرکے چلنا چاہیے کہ سب لوگ صرف گانا بجانا چاہتے ہیں ایسا نہیں ہے، بہت سے سلیم الطبع افراد اپنے ذہنی الجھنوں کا حل چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ نشریاتی پیغامات یا انٹرنیٹ کے ذریعہ اسلام کی سچائی تک پہنچ سکتے ہیں اور پہنچتے ہیں اگر ان کو صحیح رہبری ورہنمائی میسر آجائے۔

انٹرنٹ کی کئی خدمات لوگوں کے لئے بالکل مفت ہیں، جیسے ای میل، چیٹینگ، اور ویڈیو کالنگ ان کے ذریعے انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کی دعوت کا کام کیا جاسکتا ہے۔ چیٹینگ کرکے براہ راست لوگوں سے تعارف حاصل کیا جاسکتا ہے اور مناسب موقعہ پر ان کو دینی نصیحت کی جاسکتی ہے، دینی کتابوں اور اسلامی مواد کا شوق دلایا جاسکتا ہے، برادران وطن کو اسلام کی دعوت دی جاسکتی ہے، اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔ ای میل کے ذریعے بآسانی خط

وکتابت کا سلسلہ جاری رکھا جاسکتا ہے اور رابطوں کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا جاسکتا ہے، سیکنڈوں میں مطلوبہ مواد منتقل کئے جاسکتے ہیں اور ان کا آپس میں تبادلہ ہو سکتا ہے۔

اشاعت دین کے لئے انٹرنٹ کا بہترین استعمال یہ بھی ہے کہ اچھے اور معیاری اسلامی سائٹس کا قیام عمل میں لایا جائے۔ ایک کثیر تعداد اس طرح کے سائٹس کی پہلے سے موجود ہیں، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ بڑے پیمانے پر علم شرعی میں مہارت رکھنے والے لوگ اس طرف متوجہ ہوں، اور بہم پہنچائی جانے والی معلومات مدلل اور واضح ہوں۔ ان سائٹس پر مختلف زبانوں میں، ورنہ کم از کم چند مشہور زبانوں میں مواد فراہم ہو، چھوٹی چھوٹی جامع دعوتی الیکٹرونک کتابوں کا ذخیرہ ہو، عقائد صحیحہ کو سب سے زیادہ اجاگر کیا گیا ہو تاکہ اولاً کتاب وسنت پر مشتمل عقائد کا علم حاصل ہو سکے اور پھر ان گم راہ کن عقائد سے بچنے اور ان کو باطل سمجھنے کا شعور بیدار ہو سکے جو محض فریب میں مبتلا کرنے کے لئے ایک بڑی تعداد میں اسلام یا اسلامی دعوت کے نام پر قائم کئے جانے والے سائٹس کے ذریعے نشر کئے جاتے ہیں۔ دعوتی مقاصد کے لئے مخصوص سائٹس پر اگر ایسے تقاریر ودروس بھی پیش کئے جائیں جن کو سننے اور محفوظ کرنے کی بھی سہولت موجود ہو تو زیادہ بہتر ہے، بلکہ اب تو ایسے بھی سائٹس کا قیام عمل میں آچکا ہے جن کے ذریعے ریڈیو اور ٹی وی کی طرح براہ راست تقاریر ودروس نشر ہوتے ہیں۔

دعوت دین انبیاء ورسل تک محدود نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری ہر زمان ومکان کے مسلمانوں اور علماء پر ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''میری بات دوسروں تک پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت اور ایک ہی بات ہو۔''

دوسری جگہ حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپ ﷺ نے تفصیل سے بین الاقوامی نظامِ امن وسیاست کے اصول کو بیان کرنے کے بعد فرمایا:

((فلیبلغ الشاهد الغائب فرب مبلغ اوعی من سامع))[1]

ترجمہ: جو لوگ موجود ہیں وہ میری بات ان لوگوں تک پہنچادیں جو اس وقت موجود نہیں، ہو سکتا ہے کہ جس تک یہ بات پہنچے خود سننے والے سے زیادہ اسے محفوظ رکھنے والا ہو۔

ہمیں اس کا بھی بخوبی علم ہے کہ اسلام اور دین وایمان کے پھیلاؤ میں ذرائع ابلاغ کا بڑا اہم رول رہا ہے۔ ان ذرائع ابلاغ کی صورتیں ایک نہیں بلکہ اس کی صورتیں بے شمار ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کی دریافت اور اسکے معرض وجود میں آجانے کے بعد دعوت وتجدید کا عمل پہلے کے برعکس تبدیل ہو گیا ہے۔ آج انسان کے بس میں ہے کہ وہ ایک مضمون، ایک چھوٹی سی تحریر اور اپنی بات تحریر کر کے اسے ساری دنیا میں پھیلادے کہ منٹوں میں دنیا کے گوشے گوشے کے لوگ اسے پڑھ لیں اور اس سے واقف ہو جائیں۔ آج ہم اپنے گھر میں بیٹھ کر ایک بات تحریر کرتے اور لمحوں میں اسے مشرق ومغرب میں پڑھ لیا جاتا ہے اور لوگ اس پر اپنے تبصرے اور اپنی آراء بھیجنے لگتے ہیں۔ آج ان وسائل کی آمد کے بعد ہماری ذمہ داری بھی بڑھ گئی

---

[1] صحیح بخاری، 1/39 حدیث 8

ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان ذرائع کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے دین اسلام کا پیغام اوراس کی دعوت اقوام عالم تک پہنچائیں اوراسکے خلاف اعدائے اسلام جو سرگرم ہیں ان کا حکیمانہ جواب دیں، ان کی سازشوں کو ناکام بنائیں اوراپنے دین ومذھب کا پوری بصیرت کے ساتھ دفاع کریں۔ ہم ایسے مسموم ذہنوں کی پیداوار کا جواب دیں جس کے ذریعہ وہ ہمارے دین ومذھب کی صورت بگاڑنے کی کوشش کررہے ہیں اوراس کے لئے جھوٹ ودروغ گوئی، جعلسازی وگمراہ کن پروپیگنڈوں کا سہارا لے رہے اور بے بنیاد مناظر تیار کرکے پیش کررہے ہیں تاکہ دنیاکے عام باشندوں کے ذہن میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں منفی جذبات پیداہوں اوروہ اسلام سے قریب آنے کی بجائے اس سے دور ومتنفر ہوں۔ اس وقت سارے مسلمانوں خاص طور پر داعیانِ دین یاجو ذرائع ابلاغ سے وابستہ ہیں، کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی توجہ اس کے ذریعہ دعوت پر مرکوز کریں اوراسلام کے دفاع میں اپنی ذمہ داری نبھائیں اور مسلمانوں کو اپنا سلوک اوراپنی زندگی سچے مسلمانوں والا بنانے کی تلقین وتفہیم کریں۔

ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ جدید ذرائع ابلاغ اُن اہم ترین وسائل میں سے ہیں جو مذہب اسلام کی دعوت کو پھیلانے اور پوری دنیا میں اسلام ومسلمانوں کے بارے میں پھیلائی جارہی غلط تصویر کو بہتر بنانے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے میں اہم رول ادا کرسکتے ہیں۔ آج دنیاکی غیر مسلم آبادیوں میں، اسی طرح مغرب کی یہودی ومسیحی آبادی میں طرح طرح کی باتیں اسلام کے بارے میں پھیلائی جارہی ہیں اور پوری قوت سے کوشش کی جارہی ہے کہ دنیاکے باشندے اسلام قبول کرنے کے بارے میں سوچیں بھی نہیں۔ اسلام کے بارے میں عام پروپیگنڈا کیا جاتا اور ذہنوں میں ایک سوچ بٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو آزادی نہیں دیتابلکہ انہیں قید وبند میں جکڑ دیتااوران کی زندگی تنگ کردیتاہے جبکہ یہ بالکل خلافِ واقعہ ہے۔

علمائے اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ غیر مسلموں کو دین اسلام اوراسلامی تعلیمات سے روشناس کریں۔ اقوام عالم کو اسلام کے پیغام کی وضاحت کے ساتھ ایمان وتوحید کی دعوت دیں۔ آج ہر ملک میں ہزاروں چینل ہیں جورات ودن اپنی نشریات پیش کرتے رہتے ہیں۔ آج کازمانہ چینلوں، انفارمیشن اورانٹرنیٹ اور طرح طرح کی سائٹوں اوررابطے کے وسائل کازمانہ ہے۔ ان وسائل کا سہارالے کر ہم اسلام کی حقیقت وحقانیت، اسلام کی تاریخ، اسکے عدل وانصاف، اس کی رواداری، اس کے عطاکردہ حقوق اوراس کے سنہرے ادوارِ حکمرانی کو لوگوں کے سامنے پیش کریں اور مغربی وصہیونی میڈیاکے پروپیگنڈوں کا جواب اقوام عالم کی زبان میں دیں۔ انٹرنیٹ اوررابطے کے جدید وسائل نے دعوت وتجدید کے کام کو ہمارے لئے آسان بنادیاہے، اسے غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اس کے ذریعہ ہم دنیاکے گوشے گوشے سے منٹوں میں ربط کرلیتے ہیں۔ ہم ایک چیز تحریر کرکے جونہی پوسٹ کرتے ہیں لاکھوں کروڑوں لوگ اسے فوراًپڑھ لیتے ہیں۔ ہمارے پڑوس کے لوگ جس طرح اسے دیکھتے مشرق ومغرب کے لوگ بھی اسی لمحہ اسے دیکھ لیتے ہیں۔ اس سہولت نے ہم پر ذمہ داری ڈالی ہے کہ ہم اس سے پوراپورافائدہ اٹھائیں اوراس میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کریں۔ علمائے دین کی اب ذمہ داری ہے کہ وہ پہلے اپنے علم میں گہرائی پیداکریں، مذاھب وادیان کا مطالعہ

کریں، مختلف زبانوں میں لکھنا اور بولنا سیکھیں اور کتاب و سنت میں دسترس حاصل کرنے کے بعد بہتر سے بہتر اسلوب میں دین اسلام کی تعلیمات دوسروں کو سمجھانے اور مطمئن کرنے کی تربیت حاصل کریں۔ اس کے بعد ان جدید وسائل کو دعوت اسلامی کے مقصد سے استعمال کریں۔

"آج مثال کے طور پر ہم اگر اپنی اردو زبان میں دین کی باتیں لکھنے اور بولتے رہیں تو یہ بھی بلاشبہ اچھا عمل ہے، مگر اس کا دائرہ محدود ہے۔ ہم اپنی بات اپنوں کو ہی کہہ رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی بات دوسروں تک ان کی زبان میں پہنچائیں اور انہیں مطمئن کریں۔ اس کے لئے ہمیں ہندی، تلگو، کنٹر، مراٹھا، کیرل، تامل، بنگالی، اسامی اور ہر خطے کی زبان میں مہارت حاصل کرنا ہوگا۔ ہر زبان کے داعیوں کی ایک کھیپ تیار کرنی ہوگی، جو ان زبانوں میں دعوت کا فریضہ انجام دے سکیں، اسلام کے خلاف پھیلائے جارہے منفی پروپیگنڈوں کا جواب دے سکیں، ہم باور کرا سکیں کہ ہمارے دین ومذھب کی تعلیمات شخصی منافع ومفادات سے بالاتر ہیں، ہم سرمایہ داروں کی تسکین اور مردوں کی اپنی خانگی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کے مقصد سے عورتوں کو نیلام نہیں کرتے اور نہ انہیں ان ذمہ داریوں میں حصہ دار بناتے ہیں بلکہ اسلام ہر ایک کو اسکے دائرہ میں آزادی دیتا ہے اور ہر ایک کے فرائض وواجبات اور ذمہ داریوں و حقوق کو متعین کرتا ہے، اور وہی اس کی ذات کیلئے مفید اور اس کی فطرت سے ہم آہنگ ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ناقص علم رکھنے والے حضرات چینلوں کے مباحث اور دین اسلام کی ترجمانی کے لئے اسکرین پر آنے سے گریز کریں کہ انکی لاعلمی وجہالت کی وجہ سے، ان کے ناروا طرز عمل اور آپے سے باہر ہونے کی وجہ سے اور لاکھوں انسانوں کی نگاہوں کے سامنے عدم علم کی وجہ سے لاجواب ہوجانے کی وجہ سے نہ صرف اسلام ومسلمانوں کی سبکی ہوتی بلکہ دعوت کے عمل کو سخت نقصان پہنچتا ہے اس لئے اگر اہل علم میں سے کسی کو مباحثے کے لئے دعوت دی جائے اور ان کا علم ناقص اور معلومات کی کمی ہو تو وہ معذرت کریں اور علم میں گہرائی رکھنے والوں کی نشاندہی کریں کہ اس کیلئے انہیں مدعو کیا جائے۔ خود نمائی وشہرت کے لالچ میں خدارا اسلام کو بدنام کرنے اور اس کی رسوائی کا سبب بننے سے اجتناب کریں۔[1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ میری راہ یہی ہے، میں اور میری پیروی کرنے والے اللہ کی طرف بلا رہے ہیں پورے یقین اور اعتماد (یعنی دلائل کے ساتھ) اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں۔[2]

---

[1] نثار احمد حصیر قاسمی، حیدرآباد دکن https://www.urdunews.com/node/200356 Accessed:11/04/2020

[2] سورۃ یوسف:108

اسلام ایک عالم گیر اور تا قیامت باقی رہنے والا مذہب ہے، اس لیے وقت کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات کے نشیب و فراز، تہذیب و تمدن کا عروج وزوال اور معاشرے کے طرز زندگی کا سدھار و بگاڑ اس کو متاثر نہیں کر سکتا۔ مذہب اسلام جدید آلات وانکشافات کا استقبال کرتا ہے اس کا انکار نہیں کرتا اور نہ ہی جدید اشیا کے استعمال کے متعلق یک لخت بلا تدبر و تفکر کے منع کرتا ہے بلکہ تعلیمات اسلام ہی جدید انکشافات کے دریچوں کی راہوں کو ہموار کرتی ہیں۔

خلاصہ باب

باب چہارم میں مسجد کے معاشرتی کردار میں پائی جانے والی کمزوریوں اور خامیوں کے تدارک اور اصلاح مساجد کے لیے اصلاحی خاکہ مہیا کیا گیا ہے۔ اس باب کو مزید چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فصل اول میں امامت کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے امام مسجد کے معیار کے لیے شرائط کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ امامت کی اہلیت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے میں امام کے مقام و مرتبے پر بات کی گئی ہے۔

فصل دوم میں ائمہ مساجد کے تقدس کی بحالی کے لیے اصلاحی مواد مہیا کیا گیا ہے۔ اس میں امام مسجد کی فضائل اور ائمہ کے مسائل کو زیر بحث لاتے ہوئے ائمہ کرام کے معاشرے میں کھوئے ہوئے مقام و مرتبہ کی بحالی کے لیے تجاویز بھی دی گئی ہیں۔

فصل سوم میں مسجد کے فلاح و بہبود کے مرکزی کردار کے اصلاح کے سلسلہ کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ کہ کس طرح مسجد اسلامی تاریخ میں فلاح و بہبود کا کردار ادا کرتی رہی ہے لہذا اسے پھر اسی مقام پر لانے کے لیے قرآن و سنت کی روشنی میں رہنما اصول فراہم کیے گئے۔ جن کی مدد سے عصر حاضر کی مساجد میں بہتری لائی جا سکتی ہے۔

فصل چہارم میں اشاعت دین کی نئی جہتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ عصر حاضر میں اشاعت دین کے روایتی تبلیغی و اشاعتی سرگرمیوں کے بجائے اسلامی و عصری ضروریات کے پیش نظر جدید ذرائع کے لیے رہنما اصول و قواعد ذکر کیے گئے ہیں۔

خاتمہ

سوال نامہ برائے سروے

توضیح:میرا نام انوار اللہ ہے اور میں نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز،اسلام آباد میں ایم فِل اسلامیات کا طالب علم ہوں۔اپنی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے میں محکمہ اوقاف کی مساجد کے اصلاحی کردار کے حوالے سے ایک تحقیقی مقالہ لکھ رہا ہوں۔اس مقالے کے لیے اعداد و شمار جمع کرنے کی غرض سے میں نے مندرجہ ذیل سوال نامہ تشکیل دیا ہے۔برائے مہربانی اس سوال نامے میں موجود سوالات کے جوابات اپنی معلومات کی حد تک بالکل درست فراہم کریں۔آپ کے دیے گئے جوابات کو محض اعداد و شمار کے حوالے سے مقالے کا حصہ بنایا جائے گا،اس کے علاوہ انہیں کسی استعمال میں نہیں لایا جائے گا نیز آپ کا نام صیغہ راز میں رکھا جائے گا۔

سوال	جی ہاں	جی نہیں	کسی حد تک
1۔ کیا مسجد میں غریب طلبا کے لیے اسکول کی تعلیم کا انتظام ہے؟			
2۔ کیا مسجد میں باقاعدہ ترجمہ کلاس کا انعقاد کیا جاتا ہے؟			
3۔ کیا مسجد میں باقاعدہ ترجمہ کلاس کا انعقاد ہوتا ہے؟			
4۔ کیا مسجد میں بچوں کو ناظرہ پڑھایا جاتا ہے؟			
5۔ کیا مسجد میں بچے قرآن مجید حفظ کرتے ہیں؟			
6۔ کیا مسجد میں بیرونی طلبا کے لیے رہائش اور کھانے کا انتظام ہے؟			
7۔ کیا مسجد میں درسِ نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے؟			
8۔ کیا مسجد میں مختصر دورانیے کے دینی کورس کروائے جاتے ہیں؟			

9۔ معاشرے میں منعقد ہونے والے سیاسی یا رسمی پروگراموں میں مسجد کی نمائندگی ہوتی ہے؟			
10۔ کیا مسجد میں رمضان المبارک میں دورہ ترجمہ قرآن کا اہتمام ہوتا ہے؟			
11۔ کیا مسجد میں کسی قسم کی فنی تعلیم دی جاتی ہے؟			
12۔ کیا مسجد میں خواتین کے لئے درس قرآن کا اہتمام ہوتا ہے؟			
13. کیا مسجد میں خواتین کے لئے نماز تسبیح کا اہتمام ہوتا ہے؟			
14۔ کیا مسجد میں خواتین کے لئے دینی تعلیم کا انتظام ہے؟			
15۔ کیا مسجد میں دارالافتاء موجود ہے؟			
16۔ کیا مسجد میں خطبہ جمعہ کا اہتمام موجود ہے؟			
17۔ کیا خطبہ جمعہ معاشرتی ضروریات کے مطابق ترتیب دیا جاتا ہے؟			
18۔ کیا مسجد میں درس حدیث اور بنیادی فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے؟			
19۔ ان دروس میں مجموعی طور پر شرکاء کی تعداد کتنی ہوتی ہے؟			
20۔ کیا مسجد میں رمضان المبارک کے دوران افطاری کے پروگرام ہوتے ہیں؟			
21۔ کیا محلے کی سطح پر عام عوامی مسائل کے حل میں مسجد کا کردار کتنے فیصد ہے؟			
22۔ کیا مسجد میں تبلیغی وفود آتے ہیں؟			
23۔ کیا مسجد کی جانب سے معاشرے میں تبلیغی مشن بھیجے جاتے ہیں؟			

			24۔ کیا مسجد کی جانب سے دعوتی لٹریچر کی اشاعت کی جاتی ہے ؟
			25۔ کیا مسجد میں غیر رسمی تعلیم کے کیمپ لگائے جاتے ہیں ؟
			26۔ کیا مسجد میں طبی کیمپ لگائے جاتے ہیں ؟
			27۔ کیا مسجد امام، خطیب اور خادم کی اسامی پر کی جاچکی ہے ؟
			28۔ کیا امام مسجد کے پاس حفظ القرآن اور تجوید و قراء کی سند اور صلاحیت موجود ہے ؟
			29۔ کیا خطیب کے پاس درس نظامی / ایم اے اسلامیات اور تخصص افتاء کی سند و صلاحیت موجود ہے ؟
			30۔ کیا امام مسجد اوقاف کی طرف سے مطلوبہ قابلیت پر پورا اترتا ہے ؟
			31۔ کیا امام کی تنخواہ سے اس کے اخراجات با آسانی پورے ہو جاتے ہیں ؟
			32۔ کیا عام لوگ اپنے سماجی مسائل کا حل طلب کرنے کے لئے مسجد کے امام و خطیب سے رابطہ کرتے ہیں ؟
			33۔ کیا مسجد میں امامت میراث در میراث چلی آرہی ہے یا اوقاف نے اہلیت کی بنا پر تعیناتی کی ہے ؟
			34۔ کیا امام اور خطیب مسجد میں باقاعدگی سے آنے والے لوگوں کو جانتے ہیں ؟
			35۔ کیا مسجد کمیٹی (انتظامیہ) کے لوگ نماز پنجگانہ مسجد میں ادا کرتے ہیں ؟
			36۔ کیا مسجد انتظامیہ کے افراد دینی علوم کے ماہر ہیں ؟

			37۔ کیا بجلی اور گیس کے بل محکمہ اوقاف کی طرف سے باقاعدگی سے ادا کیے جاتے ہیں؟
			38۔ کیا مسجد انتظامیہ کا امام اور خطیب کے ساتھ رویہ عزت و احترام پر مبنی ہے؟
			39۔ کیا مسجد انتظامیہ کی جانب سے مسجد کے امور کے حوالے سے وقتاً فوقتاً میٹنگ کا اہتمام کیا جاتا ہے؟
			40۔ کیا مسجد سے متعلق امور سے متعلق فیصلہ سازی کے دوران امام اور خطیب سے مشاورت کی جاتی ہے؟
			41۔ بامر مجبوری اگر کوئی امام یا خطیب چھٹی پر چلا جائے تو اس کی جگہ کوئی اور فرد ذمہ داری ادا کر سکتا ہے؟

پتہ مسجد:

نتائج بحث

اس مقالے کے اہم نتائج درج ذیل ہیں۔

- عہد نبوی ﷺ اور عہد خلافت میں مساجد کو صرف عبادات کا مرکز ہی نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ اس کو ایک ایسی مقدس جگہ قرار دیا گیا تھا جس کے توسط سے امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت کے فریضہ کی ادائیگی کو ممکن بنایا جا سکے۔
- محکمہ اوقاف انتخاب ائمہ وخطباء کے نظام کو نافذ کرنے میں تقریباناکام ہو چکا ہے جسکی وجہ سے یہ موروثیت کی شکل اختیار کر گیا ہے۔
- اوقاف کے مساجد کے ائمہ ذاتی دلچسپی کی حد تک تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں کو مساجد میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔
- مساجد کے ائمہ وخطباء کی ماہانہ تنخواہ کی کمی دعوتی کردار کو نبھانے میں ایک رکاوٹ ہے۔
- ائمہ وخطباء کا غیر تربیت یافتہ ہونا تربیتی کردار کو مکمل کرنے میں بنیادی رکاوٹ ہے۔
- جدید ذرائع ابلاغ اشاعت دین میں مؤثر اور تیز کردار ادا کرتے ہیں۔

سفارشات

اس مقالے کی اہم سفارشات درج ذیل ہیں۔

- عوام الناس کی تربیت کے لئے خطبہ جمعہ میں خصوصی منصوبہ سازی کی ضرورت ہے اور اس ضمن میں خطیب کو علمی اور فنی طور پر اہم ترین صلاحیتوں سے مالا مال ہونا چاہیے تا کہ اس خطبہ سے ہر سامع فائدہ اٹھا سکے۔
- محلے کے سطح پر پیش آمدہ کارپوریشن کے مسائل مساجد میں حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔
- زکوٰۃ کی تقسیم کا کام مساجد کے سپرد کیا جانا چاہیے۔
- اوقاف کی مساجد میں خواتین کیلئے تعلیمی وتربیتی منصوبے شروع کیے جائیں۔
- حکومتی سطح پر خواتین کی نماز کیلئے مساجد کیساتھ جگہ کا انتظام کیا جانا چاہیے۔
- مساجد میں لائبریری قائم کرکے اس میں تمام اہم کتب رکھی جانی چاہییں تا کہ ائمہ وخطباء اپنے مطالعہ کو وسیع کر سکیں۔
- ائمہ وخطباء کے لیے بلاغت اور قراءت کے کورسز کا اہتمام کرنا چاہیے جن کے توسط سے ان کی پیشہ ورانہ صلاحیتں کو جلا بخشی جاسکے اور وہ زیادہ بہتر انداز میں اپنے فرائض منصبی ادا کر سکیں۔
- ائمہ وخطباء کی تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ کیا جائے تا کہ وہ فکرِ معاش سے بے خوف ہو کر تن دہی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں۔
- مساجد میں دار الافتاء قائم کیے جائیں اور ان کی تشہیر کی جائے تا کہ عوام اپنے مسائل کے حل کے لیے ان مساجد میں موجود مفتیان اور علماء کی طرف رجوع کر سکیں۔ اس اقدام کے نتیجے میں مسجد کو سماجی مسائل کے حل کا مرکز تصور کیا جائے گا اور سول عدالتوں کی طرف جانے کے رجحان میں کمی واقع ہو سکے گی۔

فہارس

- فہرست آیات
- فہرست احادیث
- فہرست اعلام
- فہرست اماکن
- فہرست اصطلاحات

فہرست آیات

نمبر شمار	آیات	سورت	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	﴿اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ...﴾	العنکبوت	45	46
2	﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ... يَعْلَمْ (5)﴾	العلق	1-5	29
3	﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ...﴾	الرعد	28	109
4	﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي...﴾	آل عمران	99	155
5	﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ﴾	فاطر	28	30
6	﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ...﴾	التوبۃ	18	153
7	﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى...﴾	البقرہ	238	114
8	﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُبِينٍ﴾	الحجر	74	121
9	﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ...﴾	النور	36	22،24
10	﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ...﴾	البقرۃ	213	97
11	﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ...﴾	البقرۃ	151	31
12	﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ...﴾	التوبۃ	17	19
13	﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا...﴾	آل عمران	103	98
14	﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾	البقرۃ	43	114
15	﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾	الجن	18	26
16	﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾	یوسف	76	29
17	﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾	النساء	5	157
18	﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ...﴾	الحج	40	20
19	﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا...﴾	البقرۃ	114	20
20	﴿وَيَا قَوْمِ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ﴾	غافر	41	97

21	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ...﴾	الجمعة	9	118
22	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ ...﴾	النساء	43	54
23	﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ ...﴾	يونس	57	159

فہرست احادیث

حدیث	کتاب	صفحہ
اتانی جبریل فاخبرنی ان اللہ عزوجل یباھی بکم الملائکۃ	صحیح مسلم	33
اجلس فقد اذیت	سنن ابوداؤد	51
احب البلاد الی اللہ مساجدھا، وابغض البلاد الی اللہ اسواقھا	صحیح مسلم	22
إذا اقیمت الصلاۃ فلا تاتوھا تسعون، واتوھا تمشون...	صحیح مسلم	50
إذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ إلا المکتوبۃ	صحیح مسلم	56
إذا توضا احدکم فاحسن وضوءہ، ثم خرج عامدا إلی المسجد...	سنن ابوداؤد	52
إذا سافرتما فاذنا واقیما ولیؤمکما اکبرکما	سنن نسائی	126
إذا صلی احدکم بالناس فلیخفف فإن فیھم السقیم...	صحیح بخاری	134
إذا کانوا ثلاثۃ فلیؤمھم احدھم، واحقھم بالإمامۃ اقرؤھم	صحیح مسلم	122
إذا کانوا ثلاثۃ فلیؤمھم احدھم، واحقھم بالإمامۃ اقرؤھم	سنن ترمذی	124
استووا استووا استووا	سنن نسائی	131
اسلمت امراۃ سوداء لبعض العرب وکان لھا حفش فی المسجد	صحیح بخاری	163
افلا یغدو احدکم إلی المسجد فیعلم، او یقرا آیتین من...	صحیح مسلم	35
اقیموا صفوفکم وتراصوا	سنن نسائی	131
الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، اللھم ارشد الائمۃ واغفر	سنن ابوداؤد	146
امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المساجد فی الدور...	سنن ابوداؤد	25
إن اعظم الناس اجرا فی الصلاۃ ابعدھم إلیھا ممشی...	صحیح مسلم	115
ان الامام ضامن فان اتم کان لہ ولھم وان نقص...	مستدرک علی الصحیحین	147
إن المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا، وشبک اصابعہ	صحیح بخاری	52
إن طول صلاۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقھہ فاطیلوا	صحیح مسلم	142
إن ھذہ المساجد لا تصلح لشیء من ھذا البول...	صحیح مسلم	55

إن يوم الجمعة سيد الايام واعظمها عند الله	سنن ابن ماجه	139
إني لاقوم في الصلاة فاسمع بكاء الصبي فاوجز في صلاتي ...	صحیح بخاری	134
انهم لا يحسدوننا على شئى كما يحسدوننا على يوم الجمعة ...	مسند احمد	139
بشر المشائين في الظلم إلى المساجد بالنور التام يوم القيامة	سنن ابوداؤد	26
ثلاثة لا ترتفع صلاتهم فوق تؤوسهم شبرا : رجل ام قوما ...	سنن ابن ماجه	133
ثلاثة على كثبان المسك اره قال يوم القيامة يغبطهم ...	سنن ترمذی	145
جعلت قرة عيني في الصلاة	مسند احمد بن حنبل	160
جعلت لي الارض مسجدا وطهور ...	صحیح بخاری	18
جنبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم، وشراءكم، ...	سنن ابن ماجه	59
راصوا صفوفكم وقاربوا بينها وحاذوا بالاعناق	سنن نسائی	131
صل الصلاة لوقتها فإن ادركت معهم فصل ولا تقل إني صليت	صحیح مسلم	
طلب العلم فريضة على كل مسلم	سنن ابن ماجه	31
فان التشبيك من الشيطان	مصنف ابن ابی شیبہ	52
فإن الملائكة تتاذى مما يتاذى منه بنو آدم	صحیح مسلم	53
كان اخف الناس صلاة في تمام	صحیح مسلم	134
كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا خطب احمرت عيناه ...	صحیح مسلم	140
كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يطيل الموعظة يوم	سنن ابوداؤد	141
كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يامر بالتخفيف...	سنن نسائی	135
لا تقام الحدود في المساجد	سنن ابن ماجه	60
لا يقعد قوم يذكرون الله عز وجل إلا حفتهم الملائكة...	صحیح مسلم	33
لا يؤم الرجل في سلطانه ولا يجلس على تكرمته إلا بإذنه	سنن ابوداؤد	124
لقد هممت ان آمر رجلا يصلي بالناس، ثم احرق على رجال ...	صحیح بخاری	44
لما انزلت الآيات من سورة البقرة في الربا، ...	صحیح بخاری	36
ليؤذن لكم خياركم، وليؤمكم قراؤكم	صحیح مسلم	124

اللهم اغفر للمؤذنين	الام	148
ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله یتلون کتاب الله ...	صحیح مسلم	27
ما امرت بتشیید المساجد	سنن ابو داؤد	25
مثل الذی یتخطی رقاب الناس یوم الجمعة والامام یخطب...	مصنف ابن ابی شیبہ	51
من أدرك أبوَيه الكبرُ عندَه أو أحدَهما فلم يُدخِلاه الجنَّةَ	الترغیب والترھیب	107
من اکل الثوم او البصل من الجوع او غیرہ فلا یقربن مسجدنا	صحیح بخاری	53
من ام الناس فاصاب الوقت فله ولهم، ومن انتقص من ذلك	مسند احمد بن حنبل	148
من ام قوما فلیتق الله، ولیعلم: انه ضامن مسؤل...	معجم الاوسط	147
من بنی مسجدا، قال بکیر: حسبت انه قال: یبتغی به وجه الله...	صحیح بخاری	25
من تخطی رقاب الناس یوم الجمعة اتخذ جسرا الی جهنم	سنن ترمذی	51
من لم یرحم صغیرنا، ویعرف حق کبیرنا، فلیس منا	صحیح بخاری	126
واینما ادرکتك الصلاة فصل، فهو مسجد	صحیح بخاری	18
ولا یؤذینا بریح الثوم	صحیح مسلم	53
یا اباموسی، لقد اوتیت مزمارا من مزامیر آل داود	صحیح بخاری	123
یهل اهل المدینة من ذی الحلیفة، ویهل اهل الشام ...	صحیح بخاری	111
یؤم القوم اقرؤهم لکتاب الله فإن کانوا فی القراءة سواء...	صحیح مسلم	125

فہرست اعلام

نمبر شمار	نام	صفحہ نمبر
1	امین احسن اصلاحی	167
2	اورنگزیب عالمگیر	90
3	ڈاکٹر حمید اللہ	37
4	عبد اللہ بن باز	34
5	معین الدین شاہ ندوی	92
6	ملا قطب الدین	90
7	نظام الدین سہالوی	90

فہرست اماکن

نمبر شمار	نام	مختصر تعارف	صفحہ نمبر
1	بطحان	مدینہ منورہ کے جنوب مشرق میں واقع وادی کا نام ہے۔	35
2	جحفہ	شام، مصر اور مغرب سے آنے والے حاجیوں اور زائرین کی میقات کا نام ہے۔	111
3	ذوالحلیفہ	ذوالحلیفہ مدینہ سے آنے والے حاجیوں اور زائرین کی میقات ہے۔	111
4	صفہ	مسجد نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے متصل پیچھے کی جانب تھوڑا سا چبوترہ بنا دیا گیا تھا جہاں صحابہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔	162
5	عقیق	مدینہ منورہ میں واقع وادی کا نام ہے۔	35
6	نجد	جزیرہ نما عرب کا وسطی خطہ ہے۔	36

فہرست اصطلاحات

نمبر شمار	نام	صفحہ نمبر
1	امام	121
2	جمعہ	138
3	سکت عنہ	25
4	صححہ البانی	31
5	ضعفہ البانی	31
6	قضا	57
7	مسجد	16

فہرست مصادر و مراجع

- القرآن المجید
- ابن القیم الجوزی، زاد المعاد، لطبوعة الرسالة، بیروت، طبع 1979ء۔
- ابن منظور، لسان العرب، دار المعارف، قاہرہ، (س۔ن)۔
- ابو الحسن علی بن سلیمان المداوی، الانصاف، دار احیاء الحدیث، بیروت، طبع 1993ء۔
- ابو الفضل مولانا عبد الحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، طبع 1990ء۔
- ابو حسن احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغة، دار النشر، و دار الجیل، طبع دوم، 1420ھ۔
- أبو داود سلیمان بن الأشعث سنن أبي داود، المکتبہ العصریہ، صیدا- بیروت، 1391ھ۔
- ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی، الام، دار المعرفة، بیروت، طبع دوم، 1393ھ۔
- ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری الجامع الصحیح، دار طوق النجاة، الطبعہ الأولی، 1422ھ۔
- ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، سنن الترمذي، دار الغرب الإسلامي- بیروت، 1998ء۔
- احمد بن ابو بکر بن اسماعیل البوصیری، مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجہ، جامعة اسلامیة، المدینة المنورة، طبع 1424ھ۔
- احمد بن حنبل شیبانی، مسند احمد بن حنبل، دار النشر، قرطبہ، 2002ء۔
- احمد بن حنبل، المسند، دار الکتب العلمیة، بیروت، طبع 2008ء۔
- احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی، المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب المسلم، دار ابن کثیر، بیروت (س۔ن)۔
- اردو لغت تاریخی اصول پر، اردو لغت بورڈ، کراچی، طبع 2002ء۔
- اسرار الحق قاسمی، اسلام میں ائمہ و موذنین کا مقام و مرتبہ اور ہماری ذمہ داریاں، ماہنامہ دار العلوم، شمارہ 3، جلد: 101، جمادی الاخری 1438 ہجری مطابق مارچ 2017ء۔
- اوقاف ڈائریکٹوریٹ، اسلام آباد، حوالہ نمبر Auq-Dte/2010 (6) 2، مورخہ 18 دسمبر 20 مسجد فاروقیہ A19
- بصیر احمد ناصر، پیغمبر آخر و اعظم، فیروز سنز، لاہور، طبع 2006ء۔
- پاکستان کا اعلامیہ (1976)
- الحاج محمد امین بھٹی، الحاج محمد ثقلین بھٹی۔ اظہر اللغات، اظہر پبلشرز، لاہور (س۔ن)۔

- الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات، فیروز سنز لاہور، (س۔ن)۔
- حافظ عبد الرقیب، مسجد: مرکزِ عبادت، تربیت اور خدمت۔ روزنامہ پاکستان، لاہور، 19 جولائی 2019۔
- حسین بن مسعود بغوی، معالم التنزیل، دار طیبۃ، بیروت، طبع 1989ء۔
- ڈاکٹر ابو حبیب سعدی، القاموس الفقھی لغۃ واصطلاحا، دار الفکر، دمشق۔ (س۔ن)
- ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباف، طبع 1992ء۔
- ڈاکٹر حمید اللہ، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی، طبع 1987ء۔
- ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی، طبع 1987ء۔
- ڈاکٹر ضیاء العمری، مدنی معاشرہ عہدِ رسالت میں، اردو ترجمہ، عزا نسیم فاروقی، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، طبع جولائی 2005ء۔
- ڈاکٹر فضل الٰہی، نبی ﷺ بحثیت معلم، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 2005ء۔
- ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، قرآن مجید کا عربی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد طبع 2001ء۔
- زنیرہ رشید، طلاق کی شرح میں اضافہ آخر کیوں؟، روزنامہ نوائے وقت، 8 ستمبر 2019ء۔
- سلیقہ اختلاف، وزارت اسلامی امور و اوقاف و دعوت وارشاد، سعودی عرب، 1419ھ۔
- سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، المعجم الکبیر، مکتبۃ ابن تیمیۃ۔ (س۔ن)
- شمس الدین السرخسی، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، 1989ء۔
- عبد الرؤف مناوی، التیسیر بشرح الجامع الصغیر، دار النشر مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض، طبع سوم، 1988ء۔
- عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز، ثلاث رسائل فی الصلاۃ، الادارۃ العامۃ لمراجعۃ المطبوعات الدینیہ، الریاض، طبع 2008ء۔
- عبد العلیم بن عبد الحفیظ سلفی، سگریٹ نوشی اور اس کا شرعی حکم، دار الدعوۃ، نئی دہلی، بھارت، 2006ء۔
- عبد اللہ بن محمد ابن ابراہیم ابن ابی شیبۃ، المصنف، مکتبۃ الرشد، الریاض، طبع 2004ء۔
- قاضی اطہر مبارک پوری، خیر القرون کی درس گاہیں، ادارہ اسلامیات، کراچی، طبع 2000ء۔
- مجموعۃ من المؤلفین، معجم مصطلحات العلوم الشرعیۃ، مکتبۃ الملک فہد، الریاض، طبع 2017ء۔
- محمد بن ابو بکر بن عبد القادر الرازی، مختار الصحاح، مکتبہ لبنان ناشرون، (س۔ن)۔
- محمد بن ابو بکر بن عبد القادر الرازی، مختار الصحاح، مکتبۃ لبنان، طبع 1986ء۔

- محمد بن جریر طبری، جامع البیان عن تاویل ای القرآن، دار ھجر للطباعۃ والنشر، (س ن)۔
- محمد بن سعد البغدادی، طبقات الکبریٰ لابن سعد، دار صادر، بیروت، 1996ء۔
- محمد بن عبد اللہ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ بیروت، طبع 2002ء۔
- محمد بن عبد اللہ بن بہادر زرکشی، اعلام الساجد باحکام المساجد، المجلس الاعلیٰ للشؤون الإسلامیۃ، طبع 1996ء۔
- محمد بن عبد اللہ الحاکم نیشاپوری، متدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلیمیہ بیروت، طبع 1990ء۔
- محمد بن علی العرفج، الشروع والممنوع فی المسجد، وزارۃ الشئون الإسلامیۃ والأوقاف والدعوۃ والإرشاد، طبع 1499ھ۔
- محمد بن مکرم بن منظور الافریقی، لسان العرب، دار النشر ودار الصادر، بیروت، 1993ء۔
- محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، دار إحیاء الکتب العربیۃ، (س-ن)
- محمد فواد عبد الباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، دار الکتب المصریۃ، طبع 1364ھ۔
- المساجد، موسسۃ الجریسی للتوزیع والاعلان، الریاض، سعودی عرب، 1997ء۔
- مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشیري النیسابوري المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دار إحیاء التراث العربي- بیروت، 1997ء۔
- معاشرے کا معزز طبقہ، ماہنامہ، تحفظ، 2010ء۔
- مقریزی، امتاع الاسماع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1999ء۔
- واقدی، کتاب المغازی، مرکز دانش گاہی پبلی کیشنز سینٹر، طبع 1987ء۔
- یحیٰ بن شرف النووی، المجموع شرح المھذب، مکتبۃ الارشاد، جدۃ، 1990ء۔
- یحیٰ بن شرف النووی، شرح علی صحیح مسلم، المطبعۃ المصریۃ بالأزھر، 1929ء

Websites

- www.dailyhunt.in
- www.tribune.com.pk
- www.dawnnews.tv
- www.humsub.com.pk
- www.nawaiwaqt.com.pk